نفاذ اردو

جون 2023



www.tnupak.com, info@tnupak.com

تحریک نفاذ اردو پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ نفاذ اردو

جون ۲۰۲۳

زیر نگرانی: فرخندہ شمیم، مدیر اعلی: عطاء الرحمن چوہان، مدیر منتظم: کائنات عبدالرشید

فہرست مضامین

www.tnupak.com, info@tnupak.com, 03495059760

کیا تم حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی خدمت کرنے کو اس شخص کے برابر ٹھیرا لیا ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اللہ کے نزدیک دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ ظالموں کی راہ (حق) نہیں دکھاتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے گھر چھوڑا اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ان کا درجہ اللہ کے یہاں بہت بڑا ہے اور وہ لوگ کامیاب ہیں۔ ان کا رب ان کو خوش خبری دیتا ہے، اپنی طرف سے رحمت اور رضامندی کی اور ایسے باغوں کی کہ ان میں ان کے لیے دائمی نعمت ہو گی۔ (سورۃ توبہ 19 تا 21)

اداریہ — منزل کی طرف!

نفاذِ قومی زبان کا کارواں قدم قدم منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ عوامی سطح پر قومی زبان بارے دلچسپی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ سوشل میڈیا پر رومن کے بجائے اردو کا رواج عام ہو رہا ہے۔ عوام کی طرف سے نفاذِ اردو کا مطالبہ بھی دن بدن بڑھ رہا ہے۔ عوامی آگاہی اور منظم جدوجہد ہی حصول منزل کا اصل ذریعہ ہے۔ مقتدر حلقے بالخصوص وزیر اعظم پاکستان اور اعلیٰ عدلیہ ابھی تک اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں اور عوامی مطالبے، دستوری تقاضے اور عدالت عظمیٰ کے فیصلے کو خاطر میں لانے پر تیار نہیں۔ ان دستور شکن رویوں کو ہم عوامی طاقت سے ہی تبدیل کر سکتے ہیں۔ لاہور ہائی کورٹ نے فروری 2023 میں ایک مختصر فیصلہ دیا تھا لیکن ان کی دلچسپی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جج صاحب بہادر نے ابھی تک تحریری فیصلہ جاری نہیں کیا اور گرمی کی شدت کے باعث اہل پاکستان کو اس شدت اور حدت میں چھوڑ کر جج حضرات چھٹیاں منانے ٹھنڈے علاقوں کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ دو ماہ بعد اگر انہیں یاد رہا تو اس مقدمے کا تحریری فیصلہ بھی جاری ہو جائے گا۔ بس یہی رویہ ہماری قومی کارکردگی کا مظہر ہے۔

ہماری منزل پاکستان سے انگریزی کے ناجائز تسلط کا مکمل خاتمہ اور قومی زبان اردو کو حسب دستور ملک کی سرکاری زبان کے طور پر رائج کروانا ہے۔ مشکلات ہوں یا آسانیاں ہم اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہیں گے۔ الحمدللہ تحریک نفاذِ اردو سے منسلک شخصیات اور کارکنان پوری دلجمعی، اخلاص اور محنت سے شب و روز اپنے نصب العین کے لیے سرگرم عمل ہیں اور عوام الناس کی اکثریت ہماری پشت پر ہے۔ ہم کسی دستور شکن کو خاطر میں لائے بغیر اپنا سفر جاری رکھیں گے۔ ہماری کسی فرد، جماعت اور ادارے سے کوئی لڑائی نہیں سوائے نفاذِ قومی زبان کے، جو اس مقصد کے لیے آگے بڑھے گا، ہم اس کے ساتھ ہیں اور جو اس میں رکاوٹ بنے گا، ہم کے مقابل کھڑے ہوں گے۔

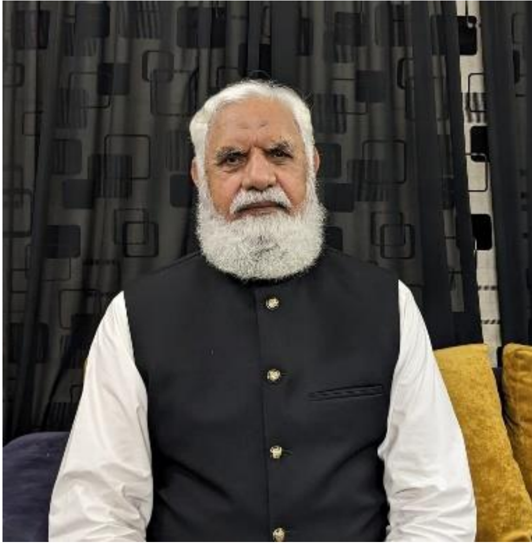
تحریک لبیک پاکستان نے حال ہی میں اپنی آزادی مارچ کے دوران نفاذِ قومی زبان اردو کو اپنے مطالبات میں رکھا اور حکومتی نمائندوں نے ان سے مذاکرات کرتے ہوئے کمال مہارت سے نفاذ قومی زبان اور ترویج قومی زبان میں بدل دیا۔ ہم تحریک لبیک پاکستان کے شکر گزار ہیں اور حکومت کو باور کروانا چاہتے ہیں کہ حیلوں بہانوں سے کام نہیں چلے گا۔

20 جون 2023

عطاالرحمٰن

پاکستان میں قومی زبان اردو کا نفاذ ضروری ہے

شہزاد منیر احمد (گروپ کیپٹن ریٹائرڈ)



برصغیر میں دونوں زبانیں اُردو اور سنسکرت پنپ رہی تھیں۔ ان کا اپنا رسم الخط اور گرامر تھی۔ دونوں زبانیں اپنا منفرد ادبی اثاثہ اور سرمایہ رکھنے پر فخر کرتی تھیں۔ ان زبانوں کو بولنے والے اپنی اپنی زبان سے فیض یاب تھے اور چین و عرب ہمارا، ہندوستان ہمارا" ترانہ گنگناتے تھے۔ گویا ہر فرد زبان و فکر کے اعتبار سے آزاد فکری میں جی رہا تھا۔ اپنے مذہبی اور ثقافتی قدروں کا سفر بھی بڑی سبک رفتاری سے طے ہو رہا تھا۔ پھر کایا پلٹ گئی۔

انگریزوں نے ہندوستان پر جبری تسلط جمانے کے ساتھ ہی یہاں کی ثقافت کو سب سے پہلے کچلا، زبانوں کا گلا دبایا اور لارڈ میکالے کی تحقیق پر مشتمل فائنڈنگز FINDINGS کے مطابق مقامی زبانوں کی۔ جگہ انگریزی زبان نافذ کر دی۔ بے روزگاری کے مارے، مفلسی میں پستے تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو روزگار کمانے کا وسیلہ مل گیا۔ انگریزوں نے مقامی باشندوں میں سے انگریزی زبان جاننے والوں کو اپنا مشیر اور ترجمان مقرر کیا اور ان کی علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے انگریزی زبان کو فروغ دیا۔ اور مقامی زبانوں کی بیخ کنی کرنے پر لگا دیا جو مراعات پانے اور دیگر سہولتیں لیتے ہوئے نادانستہ طور پر اردو اور سنسکرت زبانوں کو پس پشت ڈالتے رہے۔ یعنی یہ ہندوستانی کم آمدنی رکھنے والے اور مزدور، ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر مقامی زبانوں سنسکرت اور اردو کی قبریں کھودتے اور قریہ قریہ گھوم کر انگریزوں کو حکمران تسلیم کرواتے گئے اور انگریزی زبان کو فروغ دیتے چلے گئے۔

یہ مراعات یافتہ طبقے انگریزوں کی پشت پناہی سے، جاگیر دار، زمیندار، کارخانہ دار ٹھیکیدار اور سرکاری ملازمین اس قدر مضبوط ہو گئے کہ ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان بن جانے

کے بعد بھی قومی پالیسیاں بنانے اور بنوانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ طبقہ قائد اعظم محمد علی جناح اور ان کے رفقائے کاروں کے نظریہ ریاست و حکومت سے قطعاً لاپرواہ ہو کر من مانیاں کرنے لگ گیا۔ لہذا بانئ پاکستان کے سہانے سپنے ایک ایک کر کے مرتے چلے گئے اور حکومت فرائض،(. سیاست، نظام حکومت، تجارتی اور سفارتی تعلقات، تعلیمی نصاب و نظام اصلاحات اور زراعت سب کچھ) مغرب زدگی کے تابع کر دیا گیا۔

آج یہ عالم ہے نہ ہماری زبان ہی موثر انداز میں زندہ ہے اور نہ ثقافتی اقدار ہی پنپ رہی ہیں۔ نہ ہماری شاعری ہماری اپنی منفرد تاریخی پس منظر میں فروغ پا رہی ہے اور نہ اس شاعری کو قومی نظریہ حیات کے حوالے سے موسیقی کی دھنیں ترتیب دی جا رہی ہیں نہ اپنی امتیازی سروں میں ڈھالا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے جس قوم کی نہ اپنی زبان کو فروغ ملے، نہ اپنی ثقافت کو پھیلانے کی کوششیں ہوں، نہ ہی اس پر فخر محسوس ہو، وہ قوم اپنی شناخت کو قوموں کی برادری میں امتیاز اور فخر کھو بیٹھتی ہے۔۔ قوم کی شناخت یا کلچر کسی قوم کے کھانے پینے کے انداز اور سیر سپاٹے کا نام نہیں ہوتا، بلکہ اجتماعی زبان، لباس، تاریخ، اور ننگی تاریخ، نصاب تعلیم قومی ہیروز اور موسیقی کا نام ہے۔

چنگیزی اور تیموری مر مٹ گئے۔ حالانکہ وہ دلیر، جنگجو اور بہادر قومیں تھیں۔ لیکن جاہل اور گنوار تھے اپنی زبان قائم نہ رکھ سکے، اپنی ثقافت تو وہ مٹ گئے۔

سارے امتیاز اوصاف و عناصر میں قوم کو متحد رکھنے میں سب سے زیادہ اہم اور موثر کردار قومی زبان کا ہوتا ہے۔ اور اگر قومی زبان چھن جائے تو اس قوم کو متحد رکھنے میں بہت دشواریاں پیش آتی ہیں جیسے چنگیزی اور تیموریوں کا حشر ہمارے سامنے ہے۔ 1947 میں ہندوستان کا بٹوارہ ہوا اور اسلامی ریاست پاکستان وجود میں آئی۔

پاکستان میں اُردو زبان کا نفاذ بلاشبہ ملک کے بانی محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش تھی اور انہوں نے اس امر کا باقاعدہ اعلان بھی فرمایا تھا کہ، "پاکستان کی قومی زبان اُردو ہو گی" مگر جیسا کہ پہلے بتایا گیا، خود غرض طبقوں نے اردو زبان کا نفاذ ہونے ہی نہیں دیا۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا باک نہیں کہ پاکستان کے موجودہ ریاستی بحرانوں کے پیدا ہونے کی وجہ، متحدہ قومی زبان اردو کا نفاذ نہ ہونا ہے۔

ہم پاکستانیوں کا یہ فرض ہے کہ اردو کو پاکستان کی قومی و سرکاری زبان کا درجہ دیں اور دلائیں۔ ہمیں یہ آفاقی حقیقت تسلیم کرنا چاہیے کہ جغرافیائی شناخت کے بعد کسی ملک کی شناخت صرف اس کی قومی زبان سے ہوتی ہے۔ لباس اور دیگر رسوم و رواج سے نہیں۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ جس طرح قرآن کی رسی مسلمانوں کو تقسیم نہیں ہونے دیتی اور جوڑ کر رکھتی ہے، اسی طرح قوم کی ایک مرکزی نصابی اور دفتری زبان ہو تو قوم میں انتشار پیدا ہونے کے امکانات تقریباً ختم ہو جاتے ہیں اور

مخالف قوتوں کے لیے انتشار پھیلا کر قوم کو کمزور کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔

دلچسپ اور غور و فکر کا پہلو اس میں یہ ہے کہ قائداعظم نے اُردو کو پاکستان کی قومی زبان کے طور پر کیوں منتخب کیا تھا۔ میری دانست میں قائداعظم محمد علی جناح انسانی تاریخ کی اس سچائی کا بہت گہرا مطالعہ و یقین رکھتے تھے کہ "زبان" قوموں کی زندگی میں بڑا اہم، موثر اور مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔ ملکی زبان ہی وہ موثر وسیلہ ہوتی ہے جو اجنبی ملکوں تک اس ملک کی تاریخ، تہذیب و تمدن، قومی ہیروز، صنعت و حرفت، تجارتی امکانات، فنون لطیفہ، قصے کہانیاں ایک جگہ سے دوسرے مقام تک کے ذریعے سے منتقل ہوتے ہیں۔ زبان ہی سفارتی تعلقات قائم کرنے اور بحال رکھنے کی سیڑھی بنتی ہے۔

قائداعظم اس حقیقت سے بھی واقف تھے کہ بے شمار ملک لسانی بنیادوں پر بنے اور ٹوٹے جیسے پولینڈ کی تاریخی ٹوٹ پھوٹ تقسیم ہونے کے باوجود پولینڈ کا زبان کی بنیاد پر "قومی تصور" گہنایا نہ جاسکا اور پولینڈ پروشیا اور جرمنی کے درمیان برسوں متنازعہ رہنے کے باوجود ایک ملک کی شناخت کے ساتھ ہی قائم رہا۔

ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے چار بنیادی عناصر ہوتے ہیں، جغرافیائی طور پر آزاد علاقہ، عوام، اقتدارِ اعلیٰ اور حکومت۔ یہ چاروں عناصر عوام میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں کہ باقی سارے ارکان عوام کے فکر و عمل کے تابع ہوتے ہیں۔ خود مختاری کے حصول کا فیصلہ بھی عوام کی فکر کا نتیجہ ہوتا ہے اور ریاست کی تشکیل بھی ان کے اجتماعی عمل کا صلہ ہوتا ہے۔ اس لیے سب عوامل اور عناصر میں عوام اہم ترین اکائی ہوتے ہیں۔ زبان اظہار خیال کی آواز کا نام ہے۔ عوام اپنے اظہارِ خیال کے لیے کئی بولیاں بولتے ہیں۔ ان کے اتحاد و اتفاق کو یقینی بنانے اور قومی مفاد میں موثر ہونے کی لیے ملک میں ایک اکائی (زبان) پر متفق ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔

ریاست کے جغرافیائی علاقے میں بے شمار لوگ شامل ہوتے ہیں جو مختلف زبانیں بولتے ہیں مگر ان کی آزادی یعنی اقتدارِ اعلیٰ کی خواہش انہیں اپنی قبیلوی یا علاقائی زبان کو ترک کر کے ایک "مقصد" "مضبوط ریاست کی تشکیل میں ضم کر کے دوسری اکائیوں کے ساتھ جوڑ دیتی ہے۔ یوں وہ قوم، قوموں کی زندگی میں شامل ہو کر ملکی ترقی کی شاہراہ پر چلتی ہیں۔

انڈونیشیا کی مثال ہمارے سامنے ہے جہاں ہر جزیرے کی الگ سے ایک زبان تھی۔ ایک اندازے کے مطابق وہاں 300 کے قریب زبانیں بولی جاتی تھیں۔ آزادی کے بعد انڈونیشیا کے سیاسی و ثقافتی مسائل کے ساتھ قومی لسانی مسئلہ بھی کھڑا ہو گیا۔ انڈونیشیا کے پاس محدود آپشنز تھیں کہ یا تو وہ اپنے آقا DUTCH, ہالینڈ کہ زبان اپنا لیں، یا جاوانی زبان یا پھر ملائی زبان کو قومی زبان تسلیم کریں۔ صدر سوئیکارنو اور بعد میں سوہارتو نے بڑے فکر و تدبر اور تحمل سے

"نظریہ پنج شیلا بنایا۔ اب انڈونیشیا کی سرکاری زبان "باہاشہ انڈونیسیا" ہے۔

قوموں کی تاریخ اور زندگی میں زبان کا اہم ترین کردار اسرائیل کی قدیم تاریخی زبان HEBREW، سے بھی ثابت ہے۔ یہودی پوری دنیا میں بستے تھے۔ جس ملک میں وہ پیدا ہوتے وہاں کی زبان میں ہی تعلیم حاصل کرتے، مگر اسرائیلی نسبت سے وہ Hebrew "زبان سے جڑے رہے۔ دنیا بھر سے یہودیوں کو اکٹھا کر کے اسرائیلی ریاست تشکیل دی گئی ریاست کا نام ہے۔۔ آج بھی HEBREW زبان کی نسبت نے انہیں متحد کر رکھا ہے۔ وہ اپنا اخبار HAARTEZ ہیبریو زبان اور انگریزی میں شائع کرتے ہیں۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد پاکستان کو اپنی خود مختار شناخت کو دنیا بھر کے ملکوں میں پہنچانے کے لیے صرف اپنی "زبان اُردو" کی ضرورت تھی۔ نہ ہمیں انگریزی کی ضرورت تھی نہ سنسکرت کی۔

قائداعظم محمد علی جناح کا اُردو زبان کو قومی زبان قرار دینے کا فیصلہ بڑی دور اندیشی پر مشتمل تھا۔ وہ جانتے تھے کہ پاکستان کے صوبے اپنی علاقائی زبانیں رکھتے، پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ ملک کی ساری اکائیوں کے آپس میں رابطے کی مؤثر زبان صرف اردو ہی تھی جو پاکستان بھر میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس اتحاد کے لیے اردو ہی مناسب اور موثر ذریعہ ابلاغ تھا۔

دنیا بھر میں آزادی کے نام پر جتنی تحریکیں چلیں ان میں زیادہ تر زبان کی بنیاد پر چلائی گئیں۔ سامراجی قوتوں نے اسی پہلو کو اپنے مفاد میں استعمال کیا۔ بین الاقوامی سطح پر چلنے والی لسانی تحریکوں کی بجائے پاکستان میں اٹھائی جانے والی چند تحریکوں کا ذکر کرتا ہوں۔

سندھو دیش

صوبہ سندھ میں تحریک پاکستان کے ایک اہم اور متحرک رکن جناب جی ایم سید تھے۔ ان کا تاریخی کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے پاکستان بننے سے پہلے سندھ کو دہلی PRESIDENCY سے علیحدہ کرانے میں بڑا موثر کردار ادا کیا۔ پھر جی ایم سید اپنے سیاسی اور ثقافتی نظریاتی اختلافات کی بنیاد پر تنہائی کا شکار ہو گئے اور یہاں تک کہہ دیا کہ اب پاکستان کو ٹوٹ جانا چاہیے۔۔

1970 کے عشرے میں مایوسی میں "سندھو دیش" تحریک چلائی۔ کچھ عرصہ کافی ہنگامہ خیزی رہی۔ کچھ لوگ مارے مروائے گئے۔ اور آخر کار یہ تحریک اپنی موت آپ مر گئی۔ کسی کو کچھ حاصل نہ ہوا سوائے ملک میں بے وجود نفرت کو اندھی نفرتوں میں بدلنے کے۔

وجہ کیا، صرف لسانی بنیادوں پر استحصال ہونے کا کا نعرہ۔ لڑتے لڑتے ہو گئی گم۔۔۔ ایک کی چونچ اور ایک کی دم۔۔۔ والا معاملہ ہی ہوا۔

مشرقی پاکستان کے لوگ اتنے ہی پاکستانیت سے محبت کرتے تھے جتنے اور صوبوں کے پاکستانی۔ جب اُردو کو قومی و سرکاری

زبان قرار دینے بارے قائد اعظم نے اعلان فرمایا تو وہ لوگ جو قائد اعظم محمد علی جناح کو سیاسی میدان میں تو شکست نہ دے سکتے تھے اور دل سے پاکستان بننے کے "خلاف" تھے، انہوں نے بنگالیوں کو اکسایا کہ آپ کو تو مغربی پاکستان کا تابع بنایا جا رہا ہے۔ اس سازشی چال میں ہندوستان نے بھی شاملِ ہو کر خوب جلتی پہ تیل ڈالنے والا کردار ادا کیا۔ کسی نے اُردو زبان کے قومی زبان کے نفاذ کی افادیت پر غور و فکر کر کے قوم کو سمجھانے کی کوشش نہ کی۔ سیاستدان مصلحت کا شکار ہوئے اور قلم کار مفاد پرستی کا۔ آخر کار مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے سیاستدانوں کے درمیان ذہنی طور پر اتنی دوریاں پیدا کر دی گئیں کہ 1971 میں مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ وجہ لسانی تنازعہ، ورنہ انتظامی جھگڑے تو حل ہو رہے تھے۔ وہ جلد یا بدیر ضرور ختم ہو جاتے۔

بلوچوں کی بے جواز ہجرت

بلوچستان میں بلوچوں، مری، مینگل اور بگٹی قبائل کے سرداروں کو بیرونی طاقتوں نے پاکستان کی سالمیت کے خلاف لالچ دے کر اور ہمدردی جتا کر اکسا کر علیحدگی پسند تحریکوں میں جھونک دیا۔ سادہ دل بلوچ وطن دشمن قوتوں کے بہکاوے میں آ کر بغاوت پر مائل ہو گے۔ بلوچ لیڈر خیر بخش مری اس میں پیش پیش رہے۔ مینگل بھی بساط بھر آوازیں اٹھاتے رہے۔ بگٹیوں نے بھی اپنا موقف اختیار کیا اور حکومت مخالف اقدامات کیے۔ خیر بخش مری تو اپنے قبیلے کے افراد کو لے کر افغانستان تک گیئے۔ تکلیفیں جھیلیں، پردیس کاٹا۔ بندے مروائے، میر ہزار خان بجارانی سے خون خرابہ کیا مگر آخر کار ناکام ہوئے اور واپس پاکستان ہی میں پناہ ملی۔

سارے مسائل اور پریشانیوں کی وجہ EXPLOITATIONیعنی سادہ دل قبائل کو زبان کے نام پر احمق بنانا ان کا استیصال کرنا اور حکمرانی کے مزے لینا رہا۔

پاکستان کے پشتون قوم پرست لیڈر خان عبد الغفار جو محمد علی جناح کے حریف اور پاکستان کے خلاف ہی بولتے اور ہندوستان، آل انڈیا کانگریس سے مراعات پاتے تھے۔ سرحدی گاندھی کہلانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ سب سے زیادہ غفار خان نے پختونوں کو بے وقوف بنایا۔ ایک نوجوان جمعہ خان، اجمل خٹک کی ایما پر غفار خان کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس کر اپنی زندگی کے 20 سال سے زیادہ کا عرصہ جلاوطنی میں تباہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں ۔کہ "یہ سب دھوکے باز ہیں"۔

جمعہ خان مزید لکھتے ہیں کہ ولی خان اور افغانستان کے صدر نجیب اللہ کے درمیان روس کی طرف سے ملنے والے بے شمار ڈالروں کے ہڑپ کرنے پر اختلافات ہوئے۔ تو نجیب اللہ نے اپنی وطن پارٹی کی مرکزی کمیٹی میں کہا۔ اگر "ولی خان پختونستان نہیں چاہتا تو ہم کیوں ان کے لیے افغانستان کو داؤ پر لگائیں"۔

زبان کی بنیاد پر سب سے طویل دورانیے کا بے ہنگم ڈرامہ باچہ خان، غفار خان خاندان نے پاکستان میں چلایا۔ اس کی وجہ

بھی سوائے پشتو زبان بولنے والوں کے ساتھ دھوکہ اور فریب کے اور کچھ نہیں۔۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ریاست کی اگر مرکزی زبان ایک ہو تو دشمن قوتوں کے لیے ریاستی عوام کو اکسانے کے مواقع معدوم ہو جاتے ہیں۔

میری دانست میں:-

پاکستان میں اردو جب تک علمی، نصابی، سرکاری اور دفتری سطح پر یکساں نصاب کے طور پر نہیں پڑھائی جائے گی، نئ نسل ایک قوم نہیں بن سکے گی۔ لہذٰا اردو زبان کا پاکستان میں کلی اور جامع طور پر نفاذ پاکستان کی بقا اور قوم کی زندگی کے لیے انتہائی ضروری بلکہ لازمی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان کے لیے قومی و سرکاری زبان "اردو کا نفاذ کرنا ضروری قرار دیا تھا۔

اے اردو زبان کے رکھوالو متحد ہو جاؤ، مجھے بھی ساتھ لے لو اور نفاذ اردو کی کوششوں کو تیز تر کر دو۔

اللہ رحمٰن ہمارا حامی، حافظ اور ناصر ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔



نفاذِ اُردو بحیثیت قومی زبان

سید مشتاق حسین بخاری، پشاور

واشنگٹن پوسٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا کی 12 زبانیں ایسی ہیں جنہیں دنیا کی دو تہائی آبادی بولتی اور سمجھتی ہے۔ ان میں پانچ ایشیائی زبانیں ہیں جن میں سر فہرست چینی زبان ہے۔ جسے ایک ارب انتالیس کروڑ لوگ بولتے اور سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر اُردو / ہندی) جو چند الفاظ کے فرق سے تقریباً ایک ہی زبان ہے (اٹھاون (58) کروڑ پچاس (50) لاکھ سے زیادہ لوگ اسے بولتے اور سمجھتے ہیں۔ اس طرح اُردو / ہندی دنیا بھر میں بولی اور سمجھی جانے والی زبانوں میں دوسری بڑی زبان ہے۔ اس زبان کے بولنے اور سمجھنے والے پاکستان کے علاوہ بھارت، افغانستان، ایران
، برطانیہ، جرمنی، ناروے، فرانس، سعودی عرب،
کویت، امارات اور دنیا کے متعدد ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ مگر اس کا مرکز پاکستان ہے۔

قائد اعظم کا دوٹوک موقف

”اُردو پاکستان کی قومی زبان ہے۔“ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے 21 مارچ 1948ء کو ڈھاکہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمادیا کہ ”میں آج آپ پر یہ واضح کردوں کہ پاکستان کی قومی زبان اُردو اور صرف اُردو ہے اور کوئی زبان نہیں۔ اگر آپ کو اس بارے میں کوئی گمراہ کرتا ہے تو وہ پاکستان کا دشمن ہے“



مگر ہمارے بعض ناعاقبت اندیش راہنماؤں کی غلط حکمت عملی کے نتیجے میں بعد ازاں بنگالی بھی قومی زبان قرار دی گئی۔ اُردو کو قیام پاکستان کے بعد سے ہی مخالفتوں کا سامنا ہے۔ اس کا اصل مخالف انگریز پرست طبقہ ہے۔ انگریز جب برصغیر کو آزادی دینے کے بعد رخصت ہوئے تو امراء کے ایک طبقے اور بیوروکریسی (افسر شاہی) کی صورت میں اپنے جانشین یہاں چھوڑ گئے۔ اس بیوروکریسی کی بالادستی کا سارا انحصار انگریزی زبان پر ہے، اسی افسر شاہی اور اشرافیہ کے گٹھ جوڑ کی وجہ سے اُردو زبان کو پاکستان میں حقیقی معنوں میں قومی (سرکاری، دفتری، عدالتی اور ذریعہ تعلیم کی) زبان بنانے سے روکا گیا۔ اس طبقے کی ذہنیت انگریزی اور بدیسی

ہے۔ یہ انگریزی زدہ طبقہ، انگریزی کے بغیر لقمہ توڑنا بھی گناہ سمجھتا ہے۔

تاہم ایک خوش آئند امر یہ ہے کہ 1973ء کے متفقہ آئین پاکستان کی شِق نمبر 251 کے تحت اُردو کو پاکستان کی قومی زبان قرار دیا گیا۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ پندرہ سال کے اندر اندر یعنی 1988ء تک اُردو کو بطور سرکاری، دفتری اور تعلیمی زبان بنا دیا جائے گا مگر بد قسمتی سے پھر وہی حکمران طبقہ خصوصاً بیورو کریسی آڑے آتی رہی اور آج 2023ء تک اُردو کو سرکاری اور دفتری زبان کا درجہ نہ مل سکا بلکہ یکساں نصاب تعلیم کے نعرے کی آڑ لے کر اب سرکاری سکولوں کی تمام نصابی کتب کو انگریزی زبان میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ جس سے محکمہ تعلیم میں ایک بڑے بحران کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

تاہم پاکستان کی عدالت عظمیٰ کے چیف جسٹس جواد ایس خواجہ نے 2015ء میں ایک فیصلہ دیتے ہوئے اُردو کو قومی اور سرکاری زبان بنانے کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو پابند بنایا کہ وہ اُردو زبان کو بحیثیت قومی اور سرکاری زبان نافذ کریں مگر شومئ قسمت سے حکمران طبقہ، بیوروکریسی اور اشرافیہ نے ایک مرتبہ پھر عدالت عظمیٰ کے اس فیصلہ کو بھی ردی کا ٹکڑا سمجھتے ہوئے اسے ہوا میں اُڑا دیا اور حکمران طبقہ بشمول حکمران سیاستدان جو آئین کی معمولی خلاف ورزی پر آسمان سر پر اُٹھا لیتے ہیں اتنی بڑی آئین شکنی اور عدالت عظمیٰ کے فیصلے کی حکم عدولی پر ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔

قومی زبان اور علاقائی زبانیں

اُردو زبان کے مستقبل کا انحصار اس بات پر ہے کہ دیگر زبانوں خصوصاً علاقائی زبانوں سے اس کا کیا رشتہ ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اُردو کسی بھی علاقائی اور صوبائی زبان کی حریف نہیں ہے یہ زبان پاکستان کے ہر علاقے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور اسی لیے اس کو پاکستان میں سب صوبوں اور علاقوں کے لیے رابطے کی زبان قرار دیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اُردو زبان میں اثر پذیری کی صلاحیت موجود ہے وہ زندہ زبانوں کی طرح دوسری زبانوں سے لین دین اور اخذ و اکتساب کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتی ہے، اُردو زبان کی لچک، اثر پزیری زندہ رہو اور زندہ رہنے دو جیسی صلاحیتوں کی طرح بے شمار صلاحتیں موجود ہیں۔

مشہور کانگریسی لیڈر مہاتما گاندھی نے ہندوستانی کی آڑ میں جب ہندی کو ہندوستان کی قومی زبان بنانے کا اعلان کیا تو ان کے اس اعلان کے پس پردہ تحریک پاکستان کی کوششوں کو ناکام بنانا بھی تھا مگر اُس وقت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ایک ذہین وفطین انسان مولوی عبد الحق اُردو کی وکالت اور تحفظ کے لیے گاندھی کے مقابلے میں خم ٹھونک کر میدان میں آ گئے اور "انجمن ترقی اُردو" کے پلیٹ فارم سے اُردو کی ترقی اور تحفظ کے لیے کام شروع کر دیا۔ اس طرح تحریک پاکستان اور تحریک تحفظ اُردو

(انجمن ترقی اُردو) دو الگ تحریکیں مگر ایک ہی نظریے اور مقصد کے تحت میدان عمل میں آ گئیں۔ اس طرح مسلمانان برصغیر نے ثابت کر دیا کہ تحریک پاکستان اور تحریک تحفظ اُردو ایک ہی سرچشمے سے پھوٹتی دو ندیاں ہی اور دونوں کا مقصد دو قومی نظریے (نظریہ پاکستان) کا نفاذ تھا اس طرح ان تمام رکاوٹوں اور طوفانوں کے باوجود اُردو زبان پھلتی پھولتی اور ترقی کرتی رہی اور ان شاءاللہ آئندہ بھی ترقی کرتی رہے گی۔

ترقی اُردو اور نفاذِ اُردو کیلیئے قائم ادارے

اُردو زبان کی ترقی، فروغ اور نفاذ کے لیے (پاکستان میں اور پاکستان سے باہر بیرونی ممالک میں) بہت سے ادارے موجود ہیں۔ "مقتدرہ قومی زبان" (اب اس ادارے کا نیا نام) "ادارہ فروغ قومی زبان" ہے۔ "انجمن ترقی اُردو پاکستان"، مجلس ترقی ادب، اُردو ڈکشنری بورڈ، اُردو سائنس بورڈ، اُردو ادارہ ہائے تالیف و ترجمہ، مختلف علمی، تحقیقی اور ادبی انجمنیں کئی حلقے اور پیشہ وارانہ ادارے، یونیورسٹیاں، کالجز، اپنے اپنے دائرہ عمل میں مصروف ہیں۔

تحریک نفاذ اُردو

اُردو کے نفاذ اور اُردو کو عملی طور پر قومی زبان بنانے کے لیے 2016 میں وجود میں آنے والی سب سے بڑی تحریک "تحریک نفاذ اُردو پاکستان" ہے جو نہ صرف اُردو زبان کی ترقی اور فروغ کے لیے کام کر رہی ہے بلکہ اُسے صحیح معنوں میں قومی زبان بنانے کے لیے جدوجہد کر رہی ہے۔ اس تحریک نے اُردو کو پاکستان کی قومی زبان کی حیثیت سے نافذ کروانے کو اپنی جدوجہد کا محور قرار دیا ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد اُردو زبان کو بانی پاکستان نے قومی زبان قرار دیا تھا اس کے بعد 1973ء میں بننے والے دستور پاکستان میں بھی اُردو کو قومی، دفتری اور سرکاری زبان قرار دیا گیا اور یہ طے ہوا کہ 14 اگست 1988ء تک ہر سطح پر انگریزی کی جگہ اُردو زبان نافذ کر دی جائے گی یعنی مقابلے کے امتحان اُردو میں ہوں گے، سرکاری گزٹ اُردو میں شائع ہونگے، سرکاری دفاتر، عدالتوں اور دیگر تمام شعبوں میں کاروائی اُردو زبان میں ہو گی۔ مگر انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حکومت میں موجود افسر شاہی (بیوروکریسی) اور استعمار کے غلام سیاستدانوں کی وجہ سے ابھی تک ایسا نہیں ہو سکا اور دستورِ پاکستان، قائداعظم کے فرمان اور عدالت عظمیٰ کے فیصلے کی مسلسل خلاف ورزی ہو رہی ہے۔

ایسے حالات میں "تحریک نفاذ اُردو پاکستان" کے نام سے ایک تحریک اُٹھی جس کی باقاعدہ شاخیں قومی، صوبائی اور اضلاع کی سطح پر قائم ہو گئی ہیں۔ اس تحریک کے بانی اور مرکزی صدر جناب عطاء الرحمن چوہان ہیں جنہوں نے اپنی شبانہ روز محنت اور جدوجہد کے ذریعے اس تحریک کو پاکستان کے تمام اضلاع اور شہروں تک پہنچا دیا ہے۔ یہ تنظیمیں ہر سطح اور زندگی کے ہر شعبے میں نفاذ قومی زبان کے

لیے منظم جدوجہد کر رہی ہیں اور اُمید کی جاتی ہے کہ یہ تحریک اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہو گی۔

ضروری ہے کہ اُردو اور پاکستان سے محبت رکھنے والے اُردو کی ترقی اور نفاذ کے لیے اس تحریک کے ساتھ قدم ملا کر آگے بڑھیں تا کہ پاکستان کا مستقبل بہتر ہو اور یہ ترقی کے راستے پر کامیابی سے گامزن ہو سکے۔

تحریر محبت ہے، بیان اُردو
الفاظ کی جنت ہے جہانِ اُردو
فرہاد صفت لوگ ہیں شیدا اس کے
شیریں سے بھی شیریں ہے زبانِ اُردو



پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے
جہاں قومی زبان کے سرکاری
استعمال پر پابندی ہے!

تحریک نفاذ اردو پاکستان

03495059760, www.tnupak.com



اردو ہے جس کا نام

از پروفیسر توقیر سید پنجاب کالج جنڈ ضلع اٹک

اردو ہماری قومی زبان، اردو ہماری قومی زبان، اردو ہماری قومی زبان یہ جملہ سُن سُن کر ہمارے کان پک گئے ہیں لیکن اس قومی زبان کا استعمال ہمیں کہیں دکھائی نہیں دیتا کہیں بھی چلیں جائیں کسی بھی دفتر میں کسی بھی بنک میں کسی بھی عدالت میں کسی بھی مدرسے میں کسی بھی مکتب میں ہمیں اردو کا نام ونشان نہیں دکھائی دیتا ایک دواڑھائی سال کا بچہ بھی جب ابا اماں کو دیکھتا ہے تو ماما ڈیڈی کہتا ہے کہیں جاتے ہیں تو بائے بائے سکھایا جاتا ہے گھر آتے ہیں تو ویلکم کیا جاتا ہے باورچی خانے کا نام تک بچوں کو معلوم تک نہیں ہاں کچن کہو فوراََ سمجھ جائیں گے بیت الخلاء کس بلا کا نام ہے میری بلا سے واش روم ہے بھئی واش روم جاتے ہیں بچے بچے کو یہی سبق پڑھایا اور بتایا جاتا ہے تو کس طرح ممکن ہے کہ اردو زبان کی اہمیت اجاگر کی جاسکے ایک بچہ جب ماں کی گود سے ہی انگریزی سیکھتا اور سمجھتا ہے تو اس کو بڑے ہو کر اردو کس طرح سکھائی جا سکتی ہے ستر سال ہو گئے ہمیں اس بات کا اعلان کرتے ہوئے کہ اردو کو رائج کیا جائے دفتروں میں سکولوں میں جامعات میں عدالتوں میں لیکن شنوائی کسی کی بھی نہیں ہو رہی اور ہو بھی کیسے جس نے عمل درآمد کروانا ہے وہ خود اردو سے نابلد ہیں اوان کے بچے بالے سب امریکہ اور یورپ سے تعلیم یافتہ ہیں تو ان کو کیا احساس اس قومی زبان کا جس کو عرف عام میں اردو کہتے ہیں۔ کسی بھی قوم کی ترقی کا دارومدار اس کی اپنی زبان پر ہوتا ہے میں نے نہیں دیکھا کہ کسی انگریز نے اپنے بچے کو امی ابو سکھایا ہو تو ہمیں کیا احساس کمتری ہے کہ ہم اردو کو اتنی گھٹیا زبان سمجھتے ہیں اور اس میں بات کرنا بھی گوارا نہیں کر سکتے اور اردو بولنے والوں کو جاہل خیال کرتے ہیں۔ مجھے یاد ہے میں ایک ادارے میں نوکری کے لیے گیا تو دوران گفتگو اس کی انچارج نے پوچھا آپ کو انگریزی آتی ہے میں نے جواب دیا محترمہ میں اردو کا استاد ہوں کیا میں اردو بھی انگریزی میں پڑھاؤں گا تو جواب ملا لیکن اردو والوں کو انگریزی بھی تو آنی

چاہیے میں نے عرض کیا لیکن انگریزوں کو تو اردو نہیں آتی تو اس کا کیا مطلب ہے وہ نالائق ہیں یا ہم جن کو اردو کے ساتھ انگریزی نہیں آتی اس پر وہ لاجواب ہو گئیں اور پھر میری نوکری تو جانی ہی تھی۔ معاملہ یہ ہے کہ اردو کو ہم نے دوسرے بھی نہیں، افسوس کی بات ہے تیسرے درجے سے بھی کم کی حیثیت دے رہے ہیں اس کی ایک وجہ ہماری اپنی بے حسی ہے ہم اوروں کو موردالزام اس لیے نہیں ٹھہرا سکتے کہ ہمارے اپنے ہی اعمال اس قابل نہیں ہیں کہ کچھ کر سکیں اور اردو کی ترویج اور ترقی میں کوئی اہم کردار ادا کر سکیں ہم دوسرے ملکوں کی ترقی کی مثالیں اپنی ہر تقریر اور ہر بیان میں دیتے ہیں لیکن اس پر عمل کتنا کرتے ہیں اس پر ایک سوالیہ نشان ہے؟ ہم سو سال غلامی میں رہے تو ہماری سوچ بھی غلامانہ ہو چکی ہے

اے ساقی گلفام برا ہو ترا تو نے

باتوں میں لبھا کر ہمیں وہ جام پلایا

یہ حال ہے سو سال غلامی میں بسر کی

اور ہوش ہمیں اب بھی مکمل نہیں آیا۔

جناب انور مسعود صاحب کی ایک بات بڑی اچھی لگتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس دن خوشی ہو گی جب کوئی انگریز میرے پاس آکر یہ کہے گا کہ یہ اردو کا پرچہ پُر کر دیں۔ بات یہ ہے کہ جب تک ہمیں احساس نہیں ہوتا کہ ہمیں اپنی زبان کو خود رائج کرنا ہے اور اس کی ابتدا اپنے بچوں سے کرنی ہے اس وقت تک ہم یہ یقین نہیں کر سکتے کہ اردو ملک میں رائج ہو سکے گی اور دوسری بات جو قابل ذکر بھی ہے اور حیرت انگیز بھی کہ اردو میں ایک خوبی ہے کہ یہ ہر زبان کو اپنے اندر جذب کرنے کا ہنر رکھتی ہے اس لیے کہ یہ ایک لشکری زبان ہونے کے ناطے بہت سی زبانوں کا مرکب ہے اور اگر ایک انگیریزی بھی اس میں شامل کر لی جائے تو ہم بہانگ دہل انگریزوں سے کہ سکتے ہیں ہم نے تمھارا لفظ اپنے زبان میں شامل کر لیا ہے اب یہ تمھارا نہیں رہا اب یہ ہمارا ہے اور اگر تم میں طاقت ہے تو ہماری زبان کا لفظ اپنی زبان میں شامل کرنے کی جرات کرو انگریز کبھی ایسا نہیں کر سکے گا اس لیے کہ انگریزی میں یہ ہنر ہی نہیں ہے میں مثال دیا کرتا ہوں کہ میرا کزن آیا۔ ایک مکمل اور بامعنی جملہ ہے او راگر کزن کو اردو ہی سمجھ لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں بجائے اس کے کہ میں کبھی یہ کہوں میرا خالہ زاد آیا کبھی یہ کہوں میرا چچازاد آیا وغیرہ تو ایک ہی لفظ سے بات بن سکتی ہے اس لیے اس میں کوئی ہرج نہیں کہ ایسے الفاظ جو روزمرہ میں استعمال ہوتے ہیں اور عام فہم ہیں ان کو اردو کا لفظ سمجھ لیا جا ئے اردو کے لغت میں بھی بہت سے الفاظ انگریزی کے شامل کر دیئے گئے ہیں اور یہ اردو کا ایک خاصہ ہے ورنہ او رکوئی زبان میرے خیال میں یہ ہنر اور خاصیت نہیں رکھتی

اس لیے قطع نظر اس بات کی کہ انگیریزی غیر ملکی زبان ہے اس کے معروف الفاظ اردو میں شامل کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے جیسے سکول کالج یونی ورسٹی سلیبس وغیرہ اسی طرح اور بہت کچھ شامل کیا جا سکتا ہے اس اس سے اردو کا ذخیرہ الفاظ بڑھے گا اور اس کی افادیت بھی بڑھ جائے گی بر خلاف اس کے کہ ہم اردو اردو کرتے اور انگریزی سے نفرت کرتے اپنی زبان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں۔

نظم

زاہدہ خانم جموں کشمیر

یہ مال اور دولت نہ ائے گی کام
وہاں کام ائے گی شہرت نہ نام

برائی کا ہونا برا ہے انجام
وہاں نیکیاں دیں گی تجھ کو دوام

تیرے پاس رہنا ہے دو گز کفن
تو مٹی میں اک روز ہو گا دفن

ملامت کو جو اپنے دل سے نہ دھوئے
ندامت میں ڈوبا ندامت میں روئے

کیوں اپنے نصیبوں کو ہاتھوں سے کھوئے
وہی کاٹتا ہے جو انسان بوئے



تیرے پاس رہنا ہے دو گز کفن
تو مٹی میں اک روز ہو گا دفن

گناہوں میں کی ہے حیاتی فنا
ملے گی تجھے ہر خطا کی سزا

کہ ہے زندگانی بڑی بے وفا
کہ رستم کو بھی جس نے دو کھا دیا

رہے گا نہ خانم یہ مال اور دھن
یہیں چھوڑ جانا ہے سب جانِ من

تیرے پاس رہنا ہے دو گز کفن
تو مٹی میں اک روز ہو گا دفن



آئیے اردو کو عام کریں

محمد وقار صدیقی، (جموں و کشمیر)

(بھارت کے حالات کے تناظر میں لکھی گئی تحریر)

ہر وہ زبان جس کے ذریعے اظہار خیالات چاہیے، وہ روز مرہ کی ضرورت کے لیے کیا جائے یا کسی سیاسی، سماجی، معاشرتی یا مذہبی نقطہ نگاہ کو بیان کرنے کے لیے کیا جائے، سہی معنوں میں جینے کی ضامن ہوتی ہے۔ مگر اردو زبان زبان ہونے کے ساتھ ایک مکمل تہذیب کا نام ہے، یہ گنگا جمنی تہذیب کی واحد نشانی ہے جو برصغیر ہندو پاک کی شناختی زبان ہے، یہ زبان نہایت وسیع دل کی مالک ثابت ہوئی ہے۔ اس زبان نے ہر پر آشوب دور میں بلا مذہب و ملت، رنگ و نسل ہر کسی کے زخموں پر مرہم پٹی کی ہے یہ اور بات ہے کہ اس مخلص زبان نے کتنے وار خود پے سہے مگر نہایت صبر و تحمل، اور فراغ دلی سے کام لیتی رہی اور یہ فراغ دلی ہی اصل میں اسکی ترقی کا سبب خاص رہی۔ ہائے افسوس جب اردو زبان نے خود کو خار زار راہوں سے نکل کر خود کو ذمہ دار ہاتھوں میں سونپ کر سکون کا سانس لینا چاہا تو ان ہی ہاتھوں نے غیر محسوس انداز میں اس سے منہ پھیرنے کی روش اختیار کرلی۔ حیف صد حیف "گھر کو آگ لگی گھر کے چراغ سے" والا معاملہ یہاں بھی دیکھنے کو ملتا ہے, خیر حالات کیسے بھی ہوں اردو زبان، کے حسن و دلکشی میں کمی نہیں بلکہ اس میں یہ دلکشی ہمیشہ سے قائم ہے اور رہے گی، اور یہی وجہ ہے کہ آج اردو زبان جس کے بولنے والے نا صرف برصغیر ہندو پاک میں بلکہ عہد حاضر میں دیکھا جائے تو اس کے بولنے اور پڑھنے والوں کی تعداد تقریباً آج تمام ممالک میں سکونت پذیر ہے یہاں تک کے امریکہ اور عرب ممالک میں بھی اس کے لسانی و ادبی مراکز قائم ہیں۔

اردو ہے جس کا نام ہم جانتے ہیں داغ

سارے جہاں میں دھوم ہماری زبان کی ہے

(داغ دہلوی)

اس کی ترویج و اشاعت ہمارا فرض عین ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس بہت سے اپنے آپ کو اردو داں کہلوانے والے اس کے تحفظ، ترویج و اشاعت، اور استعمال کے معاملے میں غفلت شعاری سے کام لے رہے ہیں یہاں تک کہ اردو زبان کے سہارے ہی اپنا نان و نفقہ چلاتے ہیں پھر بھی اردو زبان

میں لکھنا تو دور کی بات ہے بولنے میں بھی قباحت محسوس کرتے ہیں اس سے بڑا المیہ اردو زبان کے ساتھ اور کیا ہو سکتا ہے !!!۔

اردو جسے کہتے ہیں تہذیب کا چشمہ ہے

وہ شخص مہذب ہے جس کو یہ زباں آئی (روش صدیقی)

آج کے اس ٹیکنالوجی کے عہد میں ہم سب کو متحد ہو کر اُردو زبان کو عام کرنے کا مشترکہ قصد کر کے اس کی ترویج و ترقی اور اشاعت کے لئے کچھ ایسی کاوشوں کی اشد ضرورت ہے جو اردو زبان کو ترقی کی طرف گامزن کر سکیں۔

پہلی کوشش: اردو زبان کو اپنی روزمرہ گفتگو میں شامل کریں:۔ یہ پہلوں اُردو زبان کو مستحکم کرنے میں مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

دوسری کوشش: اردو کتب کا مطالعہ:- اردو شاعری، داستانیں، ناول افسانے اور سفر ناموں سے واقفیت ہونا لازمی ہے یہ عمل ہمیں اردو زبان کی ساخت اور لفظوں کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

تیسری کوشش: اردو زبان میں لکھنا:- اپنے معمولات زندگی کی ڈائری، تبصرے، یا مختلف موضوعات پر مبنی مضامین اردو میں لکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ عمل ہمیں اردو میں لفظیات کی تجاویز اور ان کا صحیح استعمال کرنے میں مدد کرتا ہے۔ اس کے علاوہ، اپنی اردو تحریرات کو دوسرے احباب کے ساتھ بھی ساجھا کریں تاکہ ان کے فیڈ بیک سے اردو تحریر میں نکھار پیدا ہو گا، اس عمل سے احباب کا اردو زبان کے ساتھ مضبوط رشتہ قائم ہو سکتا ہے۔

چوتھی کوشش: اردو کے ذخیرہ لفظیات سمیٹنا:-
دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ ہمیں نئے اردو لفظوں کو سیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ہمیں مختلف موضوعات پر مبنی اُردو کتب، رسائل و جرائد اور آن لائن اُردو سائٹ سے مدد لینی چاہیے اور ہمیں اردو زبان کے الفاظ معنی، تلفظ اور استعمال کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ عمل بھی اردو زبان کو بولنے اور سمجھنے میں مدد فراہم کر سکتا ہے۔

پانچویں کوشش: اردو مواد کے تراجم:- ہمیں دو زبانوں میں آسان قصے، مضامین یا شعر و شاعری کو ترجمہ کرتے رہنا چاہیے، اس عمل سے ہمیں اردو کے الفاظ و اصطلاحات کو بہتر طریقے سے سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ علاوہ ازیں سب سے اہم بات یہ ہے کہ تراجم کے عمل سے دوسرے احباب کو بھی اردو زبان و ادب کے قریب لایا جا سکتا ہے۔

چھٹی کوشش: اردو تحریرات پڑھیں:- اردو کے اہم شعراء و ادباء، اور صحافیوں کی تحریروں کا مطالعہ کریں اس سے تحریر، اندازِ بیان، مفکرانہ روش، ادائیگی و تسلسل بیان سیکھنے کا موقع ملتا۔

ساتویں کوشش: اردوزبان کو مختلف تعلیمی نصاب میں زیادہ سے زیادہ شامل کرنا۔ یہ عمل اردوزبان کی ترقی کے لیے ہی نا صرف اہم ثابت ہوسکتا ہے بلکہ اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں سے بھی اردو کی بہترین نشوونما ہوسکتی ہے۔

آٹھویں کوشش: اردوزبان میں مواد کی خریداری:-اردو کتب، مجلات، اور روزنامچے وغیرہ خرید کر مطالعہ کرنے کی عادت بنائیں۔ اس کے علاوہ، اردو لغت، قواعد وضوابط کی کتابیں یہ سارے عملیات زبانی صلاحیتوں کو معیاری بنانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

نویں کوشش: بہترین اردوزبان بولنے والوں سے مراسم بڑھائیں: بہترین اردو لکھنے پڑھنے اور بولنے کے لیے ایسے لوگوں کی تلاش کریں جو اردو تلفظ پر مہارت رکھتے ہوں ان سے جب بھی ملاقات کریں تو اردو میں ہی بات کریں یہ عمل اردوزبان بولنے میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔ اس عمل سے اردوزبان بولنے والوں کو بولنے اور سمجھنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

دسویں کوشش: اردوزبان میں شائع ہونے والے رسائل وجرائد کی قدردانی:-رسائل وجرائد میں شائع ہونے والی خبریں، مضامین، فیچر اور اردو شعراءوادباء کی شعری ونثری تخلیقات کے مطالعہ سے اردوزبان کے بولنے سیکھنے والوں کے قوت حافظہ میں اضافہ ہوتا ہے۔

گیارہویں کوشش: اردوزبان بولنے والوں کے گرہو تشکیل کریں:- جہاں پر اہل زبان کے ساتھ مل کر ادبی انجمنیں قائم کی جائیں اور اردوزبان کی ترویج وترقی کیلئے سمینار، ورکشاپس، اور تمام کارکنان کی حوصلہ افزائی نقدی انعامات وغیرہ سے کی جانی چاہیے۔

مختصر طور پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ ایسی انجمنوں میں شمولیت سے اردوزبان کے اظہار کو مزید فروغ ملتا ہے اور دوسرے احباب کے ساتھ تبادلہ خیال کرکے اردوزبان کی پیش رفت کو تحریکی شکل دی جاسکتی ہے۔

بارھویں کوشش: دیگر زبانوں کے بولنے والوں میں اردو زبان کی اہمیت کو اجاگر کرنا:- اردو کی ترویج واشاعت کے لئے ہمیں اسے صرف اپنی زبان نہیں، بلکہ دوسرے لوگوں کی بھی زبان بنانا ہوگا تب اردوزبان بولنے والوں کا حلقہ وسیع تر ہوگا۔ اس کے لیے ہمیں رسائل وجرائد، بلاگز، یا سوشل میڈیا پر اردو تحریرات کو عام کرنے کا معمول بنانا ہوگا اس کے علاوہ آج کے اس ٹیکنالوجی کے عہد میں اردو فلمیں، ٹی وی شوز، اور خاص کر سوشل میڈیا کے ساتھ منسلک ہونے کی اشد ضرورت ہے جس سے یہ زبان بھی دیگر عالمی زبانوں جیسا کردار ادا کرسکے۔

مختصر طور پر مذکورہ موضوع کو مدنظر رکھتے ہوئے اردوزبان کی ترویج وترقی اور اشاعتی سلسلے کو یقینی بنانے کے لیے اردو

زبان کو عام کرنا ہو گا اور جب تک ہم فرداً فرداً اردو زبان کی ترویج و ترقی اور اس کو روزمرہ بولنے پر ترجیح نہیں دیں گے تب تک ہم اسے حقیقی معنوں میں ترقی یافتہ بنانے سے قاصر رہیں گے۔ اس لیے ہمیں روزانہ اردو میں گفتگو کا معمول بنانا ہو گا، اردو میں سوچنا ہو گا، اور خالص اردو میں لکھنا، پڑھنا ہو گا۔ پس اسی طریقہ کار سے ہم اردو زبان کو حقیقت میں ترویج و ترقی کی شاہرہ پر گامزن کر سکتے ہیں۔

اردو ہے جس کا نام ہماری زبان ہے

دنیا کی ہر زبان سے پیاری زبان ہے (دتاتریہ کیفی)

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اردو زبان ہماری تاریخ، فرہنگ، اور میراث کا حصہ ہے۔ اس کی خوبصورتی اور ادبی دلچسپیوں کو بھول جانا اس کے ساتھ سوتیلے سلوک سے کم نہیں۔ آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہمیں اردو شعراء و ادباء، کلاسیکی فلموں اور اپنی تہذیب و تمدن سے وابستگی برقرار رکھنا وقت کا تقاضا ہے۔

وہ عطر دان سا لہجہ مرے بزرگوں کا

رچی بسی ہوئی اردو زبان کی خوشبو

(بشیر بدر)

اردو زبان کو عام کرنے میں ہمیں اس کے رومانوی، موسیقی، اور فنی لوازمات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس کی ترویج و اشاعت میں ان کا بھی اہم کردار ہے۔

الغرض اردو زبان کو عام کرنا، اس کا تحفظ کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے ہم سب کو اس کی قدر کرنی چاہیے، اس کی ترویج و ترقی کے لیے ہم سب کو متحد ہو کر قدم بڑھانے کی ضرورت ہے اسی میں اس کے پھلنے پھولنے کا راز مضمر ہے۔

یارب رہے سلامت اردو زباں ہماری

ہر لفظ پر ہے جس کے قربان جاں ہماری

مصری سی تولتا ہے، شکر سی گھولتا ہے

جو کوئی بولتا ہے میٹھی زباں ہماری

(اختر شیرانی)

تحریک نفاذ اردو خیبر پختونخواہ کا خصوصی اجلاس

رپوتاژ: محمد طارق خٹک



تحریک نفاذ اردو صوبہ پختونخوا اور تنظیمی اضلاع کے عہدیداروں کا مشترکہ اجلاس 6 جون 2023 کو زیر صدارت جناب مشتاق حسین بخاری۔ (صدر تحریک نفاذ اردو خیبر پختونوا) آئی,سی,ایم,ایس کالج جمرود روڈ پشاور منعقد ہوا۔ اس موقع پر جناب عطاء الرحمان چوہان (مرکزی صدر تحریک نفاذ اردو پاکستان) مہمان خصوصی تھے۔

اجلاس کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا. ازاں بعد جناب سید مشتاق حسین بخاری نے افتتاحی گفتگو میں مہمانوں کے امد کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ "پاکستان کے معرض وجود میں انے سے پہلے برصغیر میں قومی و سرکاری زبان انگریزی رائج تھی. انگریزوں کے دور حکومت میں اس زبان کو بطور دفتری, تعلیمی اور عدالتی زبان استعمال کرنا مجبوری تھی. جب پاکستان آزاد ملک کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر ابھرا تو یہ ضروری خیال کیا گیا کہ پاکستان میں کسی ایسی مشترکہ زبان کو قومی و سرکاری زبان کے طور پر رائج کیا جائے جو عام فہم ہو اور ملک کے طول و عرض میں بولی اور سمجھی جا سکے. لیکن بوجوہ پاکستان میں اردو کو وہ مرکزی حیثیت حاصل نہ ہو سکی جو اردو کا حق تھی اور اس طرح اردو کے ساتھ ناروا سلوک کو دیکھتے ہوئے اردو سے محبت کرنے والوں نے "تحریک نفاذ اردو پاکستان" کے نام ایک تنظیم کی داغ بیل ڈالی."



پشاور، تحریک نفاذ اردو خیبر پختونخوا کے عہدیداروں کا مرکزی صدر عطاء الرحمان چوہان کے ساتھ گروپ فوٹو

مہمان خصوصی جناب عطاء الرحمان چوہان نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا۔ کہ اپ حضرات کو تحریک نفاذ اردو کے اجلاس میں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ یہ اردو زبان سے محبت کا اظہار ہے۔ برصغیر میں انگریزوں کی حکومت تھی۔ انگریز میں یہ خوبی تھی کہ وہ کسی بھی ملک میں گھس جاتے وہاں کی بولی سیکھتے تھے۔ لیکن ہندوستان میں وہ ایسا نہ کر سکے۔ کیونکہ ہندوستان میں بے شمار بولیاں بولی جاتی تھی۔ اس وجہ سے وہ اپنی اس خوبی پر عمل نہ کر سکے۔ لیکن انہوں نے اردو زبان کو سیکھنے کی کوشش کی۔ چونکہ ہندو زیادہ تھے۔ اور ھندوستان میں 22 زبانیں بولی جاتی تھی جو زیادہ تر ہندوستان میں بسنے والے ہندو استعمال کرتے تھے۔ مسلمان اردو بولتے تھے۔ ہندووں نے مشہور کر دیا کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ انگریز نے اسی زبان کے مسلے پر ہندووں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑایا۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے اردو زبان کی حفاظت کے لیے ڈیفنس کونسل کا قیام عمل میں لایا جو بعد میں پاکستان کی آزادی کی تحریک کا باعث بنی۔ پاکستان بننے سے پہلے 19471906 تک بہت کوشش کی لیکن اردو زبان پر کام نہ ہو سکا۔ جب پاکستان بنا تو 25 فروری 1948 کو پاکستان کی قومی زبان قرار دے دی گئی۔ اس وقت کے وزیر آعظم لیاقت علی خان نے اس دن قرارداد پیش کی۔ کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہو گی۔ اور اس سال جو قومی بجٹ تیار کیا گیا وہ اردو میں تھا۔ اس میں انگریزی کا ایک لفظ بھی استعمال نہیں ہوا تھا۔ لیکن لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد یہ زبان بے سہارا ہوئی۔ پاکستان کے کئی دستور بنے بلند بانگ دعوے بھی کیے جاتے رہے۔ لیکن عملی جامہ نہ پہنایا جا سکا۔

اردو زبان کے لیے اگر صحیح معنوں میں کوشش کی گئی تو وہ ضیاء الحق کے دور میں ہوئی انہوں نے اپنے دور حکومت میں یہ تگ و دو کی کہ نظام تعلیم چاہے دینی ہو یا دنیاوی اس کا



نصاب اردو میں ہونا چاہیے. لیکن بے سود کم از کم عمران خان کی حکومت سنجیدہ تھی. لیکن وہ جلد ختم ہو گیی موجودہ حکومت کے اپنے مسائل ہیں. دیکھتے ہیں حکومت اردو زبان کے لیے کیا کرتی ہے. حالانکہ یورپی یونین نے جب سروے کیا تو انھوں نے پاکستان کے لوگ ذہانت کے اعتبار سے چوتھے نمبر پر قرار دیا پاکستان کی شرح خواندگی پچھلے پانچ سال سے 250٪ بڑھی ہے. جو ایک عالمی ریکارڈ ہے.

مہمان خصوصی نے اردو کی ترقی میں رکاوٹ کے چند اسباب بتایے. سر فہرست پاکستان کے بیوروکریٹ ہیں جو اپنے بچوں کو انگلش میڈیم اداروں میں پڑھانے میں فخر محسوس کرتے ہیں یا یورپی ممالک سے انگریزی میں تعلیم دلواتے ہیں. کہ یہ کامیابی کا ذریعہ ہے. دوسرے ملکی تعلیمی ادارے ہیں جو انگریزی کو ترجیح دیتے ہیں دیگر اسباب بھی ہیں.

اس موقع پر ممتاز شاعرہ. مصنفہ اور ماہر تعلیم ڈاکٹر سیما شفیع نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا. کہ پاکستان کے سرکاری و غیر سرکاری سکولوں میں عام طور پر انگریزی زبان کو پڑھانے اور سکھانے پر جتنا زور دیا جاتا ہے جتنا سرمایہ خرچ کیا جاتا ہے میرے خیال کے مطابق کار لاحاصل ہے کیونکہ بین الاقوامی زبان کا درجہ اس زبان کا حق ہے جس میں تحقیق کے لئے کوئی بنیاد ہو۔ آج دنیا ترقی کی جن منزلوں پر ہے۔ اور جتنا سائنسی تحقیقاتی کام دنیا میں ہوا ہے۔ اس سب کی بنیاد انگریزی زبان نہیں بلکہ قرآن اور عربی زبان ہے۔ اگر سائنس کی بنیاد پر کسی زبان کا بین الاقوامی درجے کا حق ہے تو

وہ عربی ہے، کیونکہ قرآن وحدیث کی زبان عربی ہے۔ ایک مسلمان کیلیے قرآن اور حدیث ہی اصل راس المال ہے پھر کیا مجبوری ہے ہے جو ہم خواہ مخواہ انگریزی طوطے بنے جارہے ہیں

میرا خیال ہے کہ اگر انگریزی زبان سیکھنی اتنی ہی ضروری ہے تو اسے چائنیز عربی فارسی اور دیگر زبانوں کی طرح اختیاری مضمون کا درجہ دیا جاے ے۔ اگر ضرورت محسوس کی جاے تو تمام دوسرے مضامین کو اپنی قومی زبان اردو میں رکھا جاے انگریزی صرف بولنے کی حد تک سکولوں میں سکھایی جائے۔ تاکہ اپنی زبان کو وہ مکمل احترام وعزت مل سکے جو اس کا آئینی حق ہے۔

آج ہمارے تعلیمی اداروں میں اردو صرف ایک مضمون کی حد تک پڑھائی جارہی ہے جبکہ باقی تمام مضامین کی زبان انگریزی ہے ستم یہ ہے کہ بعض تعلیمی اداروں میں اسلامیات بھی انگریزی میں پڑھائی جارہی ہے۔ حالانکہ اردو کو بطور زبان سیکھنا انگریزی کے مقابلے میں زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ اردو میں باقی زبانوں کے مقابلے غیر جاندار اشیاء کی بھی تذکیر وتانیث ہے۔ جو اردو کا حُسن ہے۔ پھر اس کے اعراب بھی ہیں اور نقطے بھی آوازیں بدلتے ہیں۔ لہذا ہمارا زیادہ وقت اور زیادہ توجہ اردو سکھانے پر ہونی چاہیئے۔

دنیا کے کسی بھی ملک کی ترقی کا راز اپنی زبان وثقافت سے جڑے رہنے میں پایا جاتا ہے، لہذا پاکستان کی ترقی کا راز بھی اردو کے نفاذ میں پنہاں ہے اور اردو کا نفاذ صرف محبت سے ممکن ہے، جب تک ہر پاکستانی کے دل میں قومی زبان اردو سے محبت کی مشعل روشن نہ ہوگی اردو کا نفاذ ناممکن ہے۔

کسی بھی پودے کی نمو کے لئے اس کی جڑیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ اردو کی جڑوں کی آبیاری کے لئے بچوں کے دلوں کو اُردو کی محبت کی روشنی سے منور کرنا لازمی ہے اور اس کے لئے ادب اطفال کی عمارت کو نہ صرف وسعت دینے کی ضرورت ہے بلکہ موجودہ عمارت بھی نئے رنگ وروغن کی متقاضی ہے۔

لہذا مجھ ناچیز نے ایک قدم اٹھایا ہے، اردو کو بچپن ہی سے یعنی تین چار سال کی عمر کے بچوں کے لئے آسان بنانے کی جانب توجہ دی جاے اس سلسلہ میں آپ سب کی مشاورت اور دعاؤں کی طلب گار رہوں گی

میرے نانا محترم فضل محمود صدیقی صاحب کے چند اشعار اردو سے میری خاندانی محبت کا ثبوت ہیں۔

میں اردو زباں سیکھنا چاہتا ہوں

مجھے ہے عشق اردو زبان سے

ترقی پر ہے پشاور میں اردو

ہوئے جاتے ہیں واقف سب زباں سے

بڑھے ذوق زبان دانی اے مسلم

دعا ہے خالق کون ومکاں سے.

جناب علی اکبر خان نے بھی اردو کی کسمپرسی پر مدلل خیالات کا اظہار کیا.

اخر میں تنظیم نفاذ اردو کی مقامی سطح پر تنظیم سازی کی گئ. مرکزی صدر جناب عطاء الرحمان نے تنظیمی ممبران کی کاوشوں کو سراہا مزید اس امر پر زور دیا کہ اپنے علاقوں میں رکنیت سازی کریں. اور جہاں تنظیم نفاذ اردو کا وجود ہی نہیں ہیں وہاں تنظیم قایم کی جاے اہل علم و ہنر کو شامل کیا جاے بالخصوص معلمین اور معلمات کو راغب کیا جاے

اس علمی اور ادبی کہکشاں میں جو تابندہ ستارے شامل ہوے۔



پشاور صوبائی عہدیداروں کے اجلاس میں عطاء الرحمن چوہان، سید مشتاق بخاری، عدنان بابر ایڈووکیٹ صوبائی سیکرٹری جنرل، صوبائی صدر شعبہ خواتین ڈاکٹر سیما شفیع، ڈاکٹر عبد الرحمن، تسبیح اللہ ایڈووکیٹ اور دیگر عہدیدار شریک ہیں۔

ایک ماحولیاتی نظم

فرخندہ شمیم، راولپنڈی

کیسا بدلا ہے رنگ ءجوگرفی

جس کو جغرافیہ بھی کہتے ہیں

جو بظاہر ہے ایک خشک متن

اور جو شاخ ایک سائنس کی

یہ بتاتا ہے ہر قرن ہم کو

کیا ہے موجود کائناتوں میں

کتنی پرچھائیاں زمین پہ ہیں

کیسے بادل پہاڑ پر رہتے

کتنی رعنائیاں قرین میں ہیں

کتنے تارے فلک پہ بستے ہیں

کتنے صحرا زمیں سے لپٹے ہیں

کتنے دریا ہیں ارض پر بہتے

کتنے طایر سما میں بستے ہیں؟

پر کبھی دانشوں نے سوچا ہے

جتنا کھانا زمین نے بخشا

اس سے زیادہ قحط نے کیوں کھایا

جتنا پانی فلک نے بھیجا تھا

خشک سالی نے کیسے پی ڈالا؟

کتنے اشجار اب زمیں کے نہیں

مافیا کے شکم نوالے ہیں



ڈیلٹا دیکھتے ہیں حسرت سے

کتنے ساحل اجاڑ ڈالے ہیں

ہاے اوزون کا حصار لٹا

جو زمیں سبز تر میں رہتی تھی

اس کو بارود نے اچھال دیا

جب بنفشے کو آگ میں پھینکا

آبشاروں کو اک ملال دیا

ہم نے مانا کہ بات یہ سچ ہے

ہیں تبدل عناصرِ فطرت

پر ذرا سوچیے حضور ولا

پہلے بھی موسمی تبدل تھے

سب رتیں رنگ دکھایا کرتی تھیں

پر نہ موسم میں خشک سالی تھی

نہ کوئی رت قحط سے مرتی تھی

پھر ہے الزام موسموں پر کیوں؟

تم اگر غور سے سنو مجھ کو

یہ تبدل تو شاخسانہ ہے

نیتوں، سازشوں، گناہوں کا

کون قدرت کبھی یہ چاہے گی

یہ زمیں ظلم کا ٹھکانہ ہو

آن کی قبریں بھی کھودلی جائیں

جن کا مرنا ابھی نہ ٹھہرا ہو:

سیدہ معصومہ نقوی، بہاول نگر

ہوا کے تیز جھونکوں سے کہیں مدھم نہ ہو جانا
کسی کی آس ہے تم پر اندھیرے میں نہ کھو جانا
کہیں ایسا نہ ہو جائے طوفاں کی زد میں آ جاؤ
شمع بن کے پگھلو بھی تو کہیں نہ روشنی پاؤ
کہ جب اپنی ہی لو بگڑے تو شمع یوں پگھلتی ہے
کہ نا تو موم بچتا ہے نہ روشن رات ہوتی ہے
یونہی بے فائدہ جل کر مجھے نا یوں اذیت دو
کہ ابھی تو رات باقی ہے ہماری بات باقی ہے
کہ جب تک خود سحر آ کے میری آنکھوں کو ٹھنڈک دے
میں تب تک ساتھ جاگوں گی
میں ان کی یاد میں تنہا تمہارے ساتھ جلتی ہوں
کہاں جانا ہے بتلاؤ تمہارے ساتھ چلتی ہوں
یا کچھ لمحے ٹھہر جائیں کہ دم دونوں میں اک سا ہے

دونوں ساتھ ڈوبیں گے کہ لمحے چار باقی ہیں
ذرا پل بھر کو تھم جاؤ تاریکی جانے والی ہے
اندھیرے کو نگل جانے کو کرنیں آنے والی ہیں
یقیں پختہ کر و اپنا امید سحر نا چھوڑو کہ وہ بس تھک کے ڈوبا ہے
امید بشر ہے آخر اسے ہر حال ابھرنا ہے
بس کچھ لمحے ہی باقی ہیں خدارا رحم کر لیں نہ اس بجھنے نہیں دیں نہ
اکیلے ڈوبتے دل کو عجب سا خوف آتا ہے
کہ کیسے اس کو بتلائیں اذیت ہجر ہے اس کا
کہ بنا اک پل اسے دیکھے میرا دل ڈوبا جاتا ہے
کہ ابھی تو رات ہے باقی ہماری بات ہے باقی
میں کیسے اس کو بتلاؤں کہ جب شمع پگھلتی ہے
میں اس کی روشنی لے کر تمہیں خط لکھتی رہتی ہوں
مگر جب دل یہ جلتا ہے تو اس کی روشنی لے کر کوئی کچھ بھی نہیں لکھتا

اذیت دیکھ کر اس کی کوئی کچھ بھی نہیں کہتا
ارے کم بخت لکھ ڈالو مجھے بے آس لکھ ڈالو
میرے اوراق خالی ہیں مجھے احساس لکھ ڈالو
چلو کچھ اور نا لکھو تو مجھ کو یاد لکھ ڈالو
اگر کم وقت باقی ہو تو اس کے بعد لکھ ڈالو
یا کسی بے آبرو صحرا کی مجھ کو پیاس لکھ ڈالو
کہ جس کے ہر ایک ذرے میں تمہاری آس ہے باقی
کہ جس کی تہہ میں جاناں تمہاری پیاس ہے باقی
مگر لکھو گے بھی تو کیا کہ تم سے دور کر دے گی
تمہاری اک کرن آ کے ہمیں بے نور کر دے گی
چلو اب الوداع کہہ دیں مگر خط کیا یہ پورا ہے؟
ارے شمع اسے چھوڑو سفر بھی تو ادھورا ہے

افسانہ۔۔۔ چاہت

ڈاکٹر نیلوفر (جموں کشمیر)



"چاہت پلیز اپنے آپ کو سنبھالو، چاہت مجھ سے بات تو کرو۔" شیراز سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس کے دل کا بوجھ کسی قدر ہلکا کرنے کا متلاشی تھا۔ وہ مسلسل اپنے چہرے کو چھپائے ہوئے روئے جا رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی امی نے آج صبح سویرے چاہت کی پڑھائی جاری رکھنے کی بات کو لے کر گھر میں ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا لیکن شیراز کے ابو جان نے امی کی شدید مخالفت کرنے کے باوجود بھی چاہت کا یونیورسٹی میں ایم اے سیاسیات میں داخلہ کروا دیا۔

چاہت شیراز کی پھوپھی زاد بہن تھی۔ ایک کار حادثے میں چاہت کے والدین اللہ کو پیارے ہو گئے تھے اور مرتے مرتے وہ اپنی اکلوتی دس سالہ بیٹی چاہت کو اپنے ماموں سراج سکندر کے حوالے کر گئے تھے۔ تمام رشتے داروں میں سراج سکندر کا انتخاب انہوں نے اس لئے کیا تھا کہ وہ سب سے زیاد رشتہ شناس اور مخلص انسان تھے۔ ان کا نہ صرف اپنوں کے ساتھ بلکہ دوسروں کے ساتھ بھی مخلصانہ اور ہمدردانہ سلوک تھا۔

چاہت اپنے ماموں سراج سکندر سے بے انتہا مانوس تھی۔ ماموں سراج سکندر بھی اسے بہت عزیز رکھتے تھے۔ ماموں سے چاہت کی بے بسی دیکھی نہیں جاتی جب اس کی ممانی نوکروں کے ہوتے ہوئے بھی اس سے زیادہ تر کام کرواتی تھی۔ ماموں جان اس کا ازالہ اسے کچھ تحفے وغیرہ دے کر کیا کرتے۔

خیر وقت اچھا ہو یا برا گزر ہی جاتا ہے اور جس کے مقدر میں پروردگار نے جو رکھا ہوتا ہے وہ اسے مل ہی جاتا ہے۔ چاہے انسان اس کے لئے خود کوشش کرے یا نہ کرے۔ کیوں کہ

کارخانہ دوجہاں کا مالک مختار کل ہے۔ اور اسے کسی امر کے ہونے یا نہ ہونے میں کسی کے عمل دخل کی حاجت نہیں۔

چاہت نہایت ذہین اور ذی شعور لڑکی تھی۔ بی اے کا امتحان اچھے نمبرات سے پاس کیا۔ اس پر ماموں جان اور شیراز بہت خوش تھے اور اس کی تعلیم جاری رکھنے کے سلسلے میں ماموں جان اور ممانی جان کے درمیان سرد جنگ چلتی رہتی لیکن بالآخر آج ماموں سراج سکندر نے اپنی بھانجی کو یونی ورسٹی میں داخلہ دلوا ہی دیا۔

ممانی کی صبح والی طعنہ بازی سے چاہت بہت ملول تھی۔ یونی ورسٹی سے واپس آتے ہی اپنے کمرے میں آ کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ آنسوؤں کا سیلاب تھمنے نہ پاتا تھا تھمتا بھی کیسے، برداشت کا / بند ٹوٹ چکا تھا۔ اچانک شیراز چاہت کو پکارتے ہوئے اس کے کمرے میں داخل ہو گیا اور آتے ہی اس پر سوالوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ "کیا ہوا چاہت؟ دیکھو پلیز رونا بند کر دو۔ مجھے بتاؤ آخر ہو کیا؟ کچھ تو بولو۔ وہ سب کچھ جانتا تو تھا لیکن چاہت کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے یہ اس سے بات شروع کرانا چاہ رہا تھا۔

"چاہت تمہاری یہ خاموشی میرے جان لے گی"۔ یہ فقرہ سنتے ہی وہ بول پڑی "جی میں ٹھیک ہوں۔ آج ایڈمیشن بھی ہوئی۔ ماموں جان نے مجھے باہر ہی لنچ بھی کرایا۔ اچھا رہا آج کا دن وہ ان گنت دکھوں اور محرومیوں کو اپنے سینے میں چھپائے شیراز کو مطمئن کرنے میں جت گئی۔

ماحول کو سازگار بناتے ہوئے شیراز نے بہت سی نصیحتیں کیں اور کارآمد ہدایتیں دیں۔ "چاہت امی کا رویہ ہم سے پوشیدہ نہیں لیکن تم ان کی باتوں کو دل پر نہ لیا کرو اور اپنی پڑھائی پر توجہ مرکوز رکھا کرو میری جان اور تھوڑا سا صبر پھر۔ پھر ۔۔۔" پھر۔ پھر چاہت نے دہرایا۔ نہایت تجسّس بھرے انداز میں اس نے معلوم کرنا چاہا لیکن شیراز نہایت خاموشی سے اپنائیت بھرے انداز میں اسے دیکھے جا رہا تھا۔ بڑا دل کش اور دلسوز منظر تھا کوئی شاعر دو دلوں کے محبت بھرے جذبات کا یہ سحر انگیز منظر جو دیکھتا تو دیوان کے دیوان بھر دیتا۔ جذبات کے سمندر کی گہرائیوں میں طوفان برپا ہونے کے باوجود بیرونی سطح پر سکوت اور خاموشی تھی۔ اس خاموشی کو توڑتے ہوئے شیراز نے اچانک کہنا شروع کیا اچھا "چاہت" آج شام کی فلائیٹ سے میں امریکہ جا رہا ہوں۔ پلیز میرا بیگ تیار کرنے میں میری مدد کرنا"

اچانک یہ دل ہلا دینے والا اعلان۔ جسے سننے کی چاہت متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ الفاظ اس کے کانوں میں اس طرح اترے جس طرح ترکش سے نکلا ہوا تیر سینے میں پیوست ہوتا ہے۔ آپ۔ آپ... "اس کے گلے میں جیسے آواز اٹک گئی ہو۔ جس سیلاب کو ابھی کچھ دیر پہلے اس نے تھام لیا تھا وہ پھر

سے بے قابو ہو گیا۔ وہ روتے روتے سوال کرنے لگی اب کیا ہو گا شیراز دل پر ہزار پتھر رکھ کر اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ "صرف دو سال کی بات ہے۔ دیکھو! میرے مستقبل کا سوال ہے۔ ابو امی کا خواب ہے۔ میں مزید تعلیم کی غرض سے جا رہا ہوں اور تب تک تم ایم۔ اے کر لو گی۔ پھر ہمارے پاس ایک دوسرے کے لئے وقت ہی وقت ہو گا" مگر وہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔

"پلیز مجھے ہنسی خوشی رخصت کرنا ورنہ میں جانہ پاؤں گا، چاہت میری" اس نے شیراز کی جانب ایک نظر کی۔ کیوں کہ اس سے قبل یوں دل کے گوشے کبھی شیراز نے کھولے نہ تھے۔ وہ اب مزید اس کا سامنا نہیں کر پا رہا تھا۔ اس لئے کمرے سے باہر نکل آیا۔

چاہت نقش بر دیوار ہو کر گھٹنوں اسی جگہ شیراز سے دور رہنے کے تصور سے بھی خوف زدہ ہو کر روتی رہی۔ اس کی جان نکل رہی تھی۔ یہ دم یا وہ دم غم فرقت نے دل تو دل جسم و جاں کو بھی یوں پگھلا کے رکھ دیا کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ سانسوں کا آنا جانا بھی محال لگنے لگا۔

"آخر کب تک آرام فرماؤ گی کیا یونی ورسٹی والوں نے کمرے سے باہر نہ آنے کی ہدایت کی ہے؟ ممانی کی ہیبت ناک آواز نے اس چونکا کر باہر آنے کے لیے مجبور کیا۔ "عشائیے میں شیراز کے لئے مزید کچھ پکوان اس کی پسند کے تیار کرنے ہیں ۔" ممانی نے کام سونپ دیا۔

چاہت بغیر کسی لیت و لعل کے ایک دم رسوئی میں داخل ہوئی اور کام میں جٹ گئی۔ ملازمہ نے چاہت کی سوجھی آنکھیں دیکھ کر چاہت کے کرب و ملال کا اندازہ لگایا۔ اور اسے آرام کرنے کے لئے کہا۔ باجی آپ رہنے دیجیے۔ میں خود کر لوں گی۔ اور ساتھ میں ایک رقعہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ "باجی یہ شیراز صاحب ابھی آپ کے لئے دے گئے ہیں۔ وہ بڑی بے تابی سے اس رقعے کو پڑھنے لگی۔ وہ صرف ایک شعر تھا جو چاہت کو زندگی جینے کا درس دینے کے لئے کافی تھا۔

"مرے خطوں کا جواب لکھنا
گئے دنوں کا حساب لکھنا
ہو زرد چاہے خزاں کا موسم
تو اپنا چہرہ گلاب لکھنا"

اس ایک شعر نے چاہت کو اس قدر مسرور اور مطمئن کر دیا کہ اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ کیسے دو سال کا طویل عرصہ گزر گیا۔ فقط ایک شعر نے اس کے اندر جینے کی امنگ ایسی جگائی کہ اس کا ہر کام خود بخود آسان ہوتا گیا۔

دو دنوں سے شیراز کی آمد کے خیال سے اسے اپنے پاؤں زمین پر ٹکتے محسوس نہیں ہوتے تھے۔ وہ اپنی ہی دھن"

میرے خطوں کا جواب لکھنا، گئے دنوں کا حساب لکھنا، گنگنا رہی تھی کہ ماموں جان کی آواز نے چونکا دیا۔

اچھا بیٹی! تمہارے امتحانات کیسے ہوئے؟"

"جی، آپ کی دعا سے بہت اچھے پیپرز ہوئے میرے""

ہمیں یقین کامل ہے کہ ہماری بھانجی زندگی کے ہر امتحان میں کامیاب ہوگی ان شاءاللہ سراج سکندر کا دل خوشی سے بول پڑا۔ آج کل سراج سکندر اکثر اپنی بیگم کے سامنے چاہت کی خوبیوں کو گنتے رہتے۔ خاندان میں دوسری لڑکیوں کے ساتھ جب چاہت کا موازنہ کرتے تو ہمیشہ چاہت کا پلڑا ہی بھاری نکلتا۔

"اب بھانجی کی تعریفوں کے پل ہی باندھتے رہیں گے یا کچھ اور اہتمام بھی ہوگا آپ سے "کافی دیر سے بیگم سراج چاہت کی تعریف سن رہی تھی، آخر بول ہی پڑی۔ ہاں بتاؤ بیگم کیا اہتمام کرنا ہے؟ ہم نے تو سارے اختیارات تمہیں دے رکھے ہیں۔"

اچھا سنئے، میں نے شیراز کے آنے کی خوشی میں ایک چھوٹی سی پارٹی منعقد کرنے کا سوچا ہے۔ جس میں آپ کے دوست ڈاکٹر رحمان صاحب کی فیملی کو خاص طور پر مدعو کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان کی بیٹی ندا مجھے بہت پسند ہے۔ ڈاکٹری کر رہی ہے نہایت حسین و جمیل ہے۔ میرے شیراز کے لیے ہر طرح سے موزوں ہے۔ وہ بھی ذہنی طور پر اس رشتے کے لے آمادہ ہیں کل میں ان سے سب کے سامنے رشتہ مانگ کر شیراز کی شادی طے کروں گی۔ بیگم باتوں کو لڑی میں پروئے جاری تھیں۔ ادھر سراج سکندر کا بلڈ پریشر آسمان کو چھونے لگا تھا۔

" بیگم تم پاگل ہوگئی ہو کیا۔ شیراز کی مرضی جانے بغیر تم ایسا کیسے کر سکتی ہو۔ یہ ناممکن ہے۔"

"آپ خواہ مخواہ اپنا بی پی بڑھا رہے ہیں۔ آخر کیا برائی ہے ندا میں؟ رہا سوال شیراز کی مرضی کا تو وہ میری بات کو بھی ٹال نہیں سکتا۔ اتنا تو میں اپنے بیٹے کو جانتی ہوں" بیگم سراج نے اپنے ارادے پر مہر لگا دی۔

اس کا دوٹوک فیصلہ سن کر سراج سکندر اضطراب کی حالت میں پائیں باغ کی جانب نکل گئے اور بیگم سراج اپنے کمرے کی جانب بڑھیں مگر ان دونوں کی گفتگو نے چاہت کو بیچ منجدھار ہچکولے کھانے کے لیے چھوڑ دیا۔ بے اختیار اس کی زبان سے یہ شعر اس کے کرب کی عکاسی کرنے لگا۔

کشتی کو سہارا مل نہ سکا، افسوس کنارا مل نہ سکا

وہ شورش طوفاں آج بھی ہے وہ حسرت ساحل آج بھی ہے

مگر شیراز کے قول و قرار پر اُسے خود سے زیادہ اعتماد تھا، بس اس امید پر دل غمزدہ کو تسلی دی۔

آج پورا دن چاہت ہمہ تن تیاریوں میں مصروف رہی۔ کچھ وقت کے لیے اپنے کمرے میں جو خود کا حلیہ درست کرنے آئی تو چند ہی لمحوں میں شیراز کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ اب وہ اشتیاق دید سے حیا کے بار کو الگ کرنے کی کوشش میں لگی تھی کہ ایک جملے نے سب کے منہ پر تالے لگا ڈالے "امی جان، ابو جان مجھے معاف کرنا میں تعارف کرانا بھول ہی گیا۔ یہ مائرہ حبیب میری شریک حیات ہے شیراز نے انگریزی لباس میں ملبوس ایک حسین و جمیل لڑکی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سب پر جیسے بم گرا ہو۔ ہر کوئی اپنی اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا جیسے ان سب کو یہ سب وہم و گمان لگ رہا تھا لیکن شیراز کی مزید وضاحت نے اس واقعے کو حقیقت تسلیم

کروالیا۔

"امی جان مائرہ ایک بڑے امیر گھرانے کی اکلوتی اولاد ہے۔ وہ ہر لحاظ سے آپ کی بہو بننے کے قابل ہے۔ اس لئے میں نے یہ قدم اٹھایا۔ باقی سارا ماجرا میں آپ کو کچھ کھانے پینے کے بعد سناؤں گا۔" وہ بڑا بے نیاز ہو کر بتائے جا رہا تھا۔

اچانک کسی کے دھڑام سے گرنے کی آواز نے سب کو چونکا دیا سب چاہت کو دروازے کے باہر بے ہوش پڑے دیکھ کر پریشان ہو گئے سوائے شیراز کی امی جان کے۔ وہ تو ابھی بھی شیراز کی بتائی ہوئی باتوں پر یقین کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار نہ تھی۔ 'ابو جان اب کیا ہو گا، شیراز نہایت بے چینی سے بے ہوش ہوئی چاہت کو بیڈ پر لٹانے لگا۔

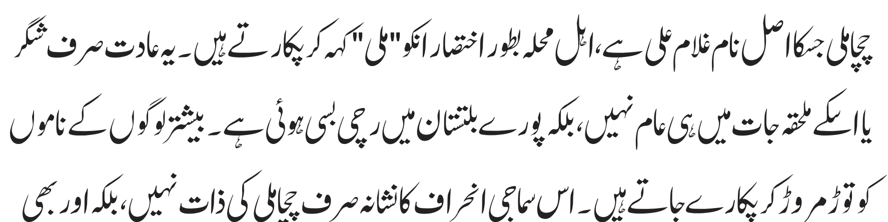
ابو جان! کیا آپ نے چاہت کو اس ڈرامے سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ بیٹا یہ سب اتنی جلدی میں ہوا کہ میں چاہت کے علم میں یہ منصوبہ نہ لا سکا۔ تمہاری امی کو اس منصوبے کی کچھ بھنک نہ لگے، میں اس لئے خاموش رہا۔ سراج سکندر گفتگو دوران چاہت کے چہرے پر پانی کی چھینٹیں بھی پھینکتا جا رہا تھا۔ مائرہ بھی ساتھ میں بیٹھی ہوئی تھی اور سراج سکندر اس کا شکریہ کرتے ہوئے شیراز سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے کہ "مائرہ نے اس منصوبے کو کامیاب بنانے میں ہماری مدد کی۔ ورنہ تمہاری امی کسی طرح بھی تمہیں ڈاکٹر رحمان کی بیٹی ندا سے رشتہ جوڑنے کے لئے مجبور کرتی۔

چاہت دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرنے لگی۔ وہ کب کی ہوش میں آچکی تھی لیکن جان بوجھ کر آنکھیں بند کئے ہوئے تھی جس کا احساس اب دونوں باپ بیٹے کو ہو چکا تھا۔

اچھا بیٹا شیراز تم چاہت کے پاس بیٹھو۔ میں تب تک مائرہ کو تمہاری امی کے بارے میں کچھ واقفیت دلاؤں۔ تا کہ کچھ ہی دنوں میں وہ خود مائرہ سے تمہارا چھٹکارا اور چاہت سے تمہارا رشتہ جوڑنے کے لئے دل سے آمادہ ہو جائے۔" سکندر سراج سکندر نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی باپ بیٹا نے خفیہ طور سے شادی کی تیاریاں شروع کر دیں۔

افسانہ۔۔۔۔یخنی

فدا اراہی شگری ممبر حلقہ فروغ ادب شگر



چچاملی جسکا اصل نام غلام علی ہے، اہل محلہ بطور اختصار انکو "ملی" کہہ کر پکارتے ہیں۔ یہ عادت صرف شگر یا اسکے ملحقہ جات میں ہی عام نہیں، بلکہ پورے بلتستان میں رچی بسی ہوئی ہے۔ بیشتر لوگوں کے ناموں کو توڑ مروڑ کر پکارے جاتے ہیں۔ اس سماجی انحراف کا نشانہ صرف چچاملی کی ذات نہیں، بلکہ اور بھی اسماے گرامی قدر ایسے ہیں جو صدیوں سے اس سماجی انحراف کے نشانے پر ہیں۔ مثلا مسمی "رستم" کو بطور آسانی "اتم" کہہ کر پکارتے ہیں، محمد علی نامی شخص کو "مہ تلی" "مخمالی یا "منگ تلی" جیسے رکیک ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔ جس سے پکارے جانے والے کی شخصیت پر گہرا منفی اثر مرتب ہوتا ہے تاہم بار بار پکارے جانے کے سبب اس کے منفی اثرات یا تو زائل ہو جاتے ہیں یا پکارے جانے والے شخص کا جذباتی حس اس چیز کا عادی ہو جاتا ہے۔ شاید یہی دو ظاہری وجوہات اس سماجی معاملے میں کار فرما ہونگی اسلیے موسوم کسی قسم کا جذباتی رد عمل دکھانا چھوڑ دیتا ہے۔ یوں دھیرے دھیرے یہ عرفی نام اس کے اصل نام کی جگہے پر رائج ہو جاتا ہے اور اسی نام سے ہی پہچانا جاتا ہے۔ شاید چچاملی کی کنیت کی شہرت میں بھی اسی طرز عمل کا نمایاں کردار رہا ہوگا۔

چچا "ملی "غالبا دو ہزار کی دہائی کے اوائل میں سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو چکا۔ ورنہ وہ محکمہ برقیات کا کسی حد تک وفادار ملازم تھا۔ دوران ملازمت ان کی ہنڈ والی کے قصے نہایت مشہور ہیں۔ ان کو شروع سے ہی خانسامانی سے لگاؤ تھا۔ شروع شروع میں وہ مختلف قسم کے کھانے پکانے میں نیم ماہر تھے۔ لیکن پے در پے رات کی سرکاری ڈیوٹی نے انہیں ایک معتبر نیم خانساماں بنادیا۔ کڑک قسم کی پٹیں چاے پکانے کی مہارت اور پینے کی روایت کی ابتدا شاید یہاں سے ہی ہوئی۔ ہرچند وہ اپنی عام گفتگو میں بھی فحش گوئی کا مکمل طور پر عادی تھا لیکن چاے اور کھانے پکانے کے دوران ان کی فحش گوئی میں نسبتا تیزی آجاتی تھی، چنانچہ انکی ہنڈ والی انکی فحش گوئی سے نہایت محضوظ ہوا کرتی تھی،

ہنڈ والیوں میں سے اگر کوئی ان کے ہاتھ بٹانے میں معمولی سستی دکھاتے تو چچاملی کی فحش گوئی کا پارہ نہایت اونچا ہو جاتا، یوں ہنڈ والی اپنی ڈیوٹی کی بوریت کا بھڑاس بھی نکال لیا کرتی۔

قصہ مختصر کڑک چاے اور عام کھانے بنانے کا گر تو انہوں نے دوران ملازمت سیکھ لیا تھا، لیکن نہیں معلوم کہ انہوں نے "یخنی" بنانے کا شاہکار فن کہاں سے سیکھا۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد انہوں نے گردونواح کے محلہ جات کی شادی بیاہ کے موقع پر غیر منظم انداز میں خانسامانی کا بیڑا اٹھایا۔ جب چچانے خانسامانی کا بیڑا اٹھایا تو شگرا اور اس کے مضافات میں کاچی اور اسکے ساتھ مکھن (مرزن) اور کھربا (روٹی) پکانے اور کھلانے کی عظیم بلتی ثقافتی روایت روبہ زوال تھی۔ جس کے متبادل چاول بطور غذا شادیوں وغیرہ میں رائج ہو چکی تھی۔ تاہم مرغن غذاوں مثلا یخنی، کوفتہ، زردہ اور کباب وغیرہ کی درآمدی غذاوں کی روایت چل نہیں پڑی تھی۔ جب لوگوں کی معاشی حالت قدرے بہتر ہوئی تو یہ رواج عام ہو تا چلا گیا۔ اب ان درآمدی غذاوں نے ڈیرہ جمالیا ہے۔ "یخنی" بھی ایک درآمد شدہ مرغن غذا ہے۔ چچاملی یخنی پکانے کے فن سے زیادہ اس کی ترش اور مکھن کی تری کی لذت کا دلدادہ ہے۔ انکو بھی شاید یہ حقیقت معلوم ہو گی کہ یخنی کی اس مزید ار ترشی اور مکھنی لذت کی تیاری میں کتنے ہرے بھرے خاندانوں کی ہریالیاں کام آئی ہیں۔

ایک مزید ار یخنی سالن کی تیاری خانساماں اور میزبان دونوں کیلیے ایک آزمائش سے کم نہیں۔ خانساماں کا امتحان یہ ہے کہ اس کو دوران تیاری چولے کی بے ہنگم آگ کی تپش اور دوران تقسیم چولے کے گرد ڈیرہ جماکر کھانا کھانے والے (بوسمی) یعنی عام مہمانان کی قد کاٹھ کا اندازہ لگا لگا کر آب زم زم کی طرح یخنی کو بانٹتے وقت سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی تقسیم میں کمی بیشی کی صورت میں انکو مہمانان اور میزبان دونوں کی نظروں سے گر جانے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ لہذا یخنی کی تیاری کے بعد اس کی تقسیم کا مرحلہ خانساماں کیلیے نہایت تکلیف دہ مقام ہے۔ اس مرحلے سے چند گنے چنے تجربہ کار اور منکسر لمزاج خانساماں ہی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح میزبان کیلیے دہی کی تیاری یوں ایک آزمائش کی گھڑی سے کم نہیں کہ مکھن، گوشت اور دہی جو کہ یخنی کی بنیادی اجزاہیں اس وقت ان کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں ساتھ ساتھ لکڑی کی قیمت بھی کچھ کم نہیں۔ ان۔ چیزوں کے بغیر یخنی کی تیاری کسی خانساماں کے بس کی بات نہیں اس کے علاوہ ایک اور نقصان جس کا شعوری طور پر فریقین کو احساس ہی نہیں۔ وہ یخنی کی تیاری میں ہونے والے قیمتی وقت کا ضیاع ہے۔ جسکا نہ مہمانان میں سے اکثریت کو احساس ہے نہ چچا ملی جیسے بوڑھے خانساماں کو نہ ہی میزبان کو۔

"متاع سخن"   ایک اجمالی جائزہ

جائزہ کار.... فرخندہ شمیم



وطن عزیز کے مردم خیز خطے پشاور میں نابغہ اہل فن کی کمی نہیں ہے. اس سرزمین کی تاریخ شاہد ہے کہ شجاعت، خودداری اور حمیت اس کا خاصہ ہے اور یہی اوصاف حمیدہ اس زمیں کے اہل تخلیق میں بھی مترشح ہیں... جو اکثر و بیشتر اہل فکر و نظر اور برق جادو گری کے باعث سامنے آتے جاتے رہے تاہم ان میں مجاہدین اولین ایسے بھی ہیں جو اپنی کم آمیزی کم نمای اور بے نیازی کے باعث محافل ادب کی جان تو بنے لیکن اپنے ہنر کو محفوظ کروانے میں کامیاب نہ ہوسکے.... کیونکہ سادگی از خود اپنی نمایش نہیں کرتی...

ایسے میں متاع سخن کے عنوان سے پشاور، کلکتہ اور جادوے بنگال کو زیور سخن سے سجانے والے عبد الودود اختر آصفی پشاوری کی شعری متاع کو جمع کر کے شائع کرنے کی تاج وری پشاور ہی کی ایک ادب شناس، مستقل مزاج اور بے تکان خاتون وحیدہ ملک کے سر ٹھہری.. جنھوں نے اختر آصفی پشاوری کے جگہ جگہ بکھرے کلام، اخباری معلومات اور ممتاز ہم عصروں سے کی گئی گفتگو کے اقتباسات جمع کر کے انہیں ایک کتاب کی شکل دی اور یوں محلہ نو پشاور میں 1905 کے جنمی عبد الودود آصفی پشاوری کو 1984 کے دم رخصت تک کے سخنی قلعوں میں محفوظ کر دیا

وحیدہ کا یہ ایک بڑا کام ہے. نایافتگان کو یافتگان اور نایافت کو دریافت میں بدلنا در حقیقت خود اپنی تلاش کا دوسرا نام ہے... پیش لفظ میں کتاب کی مولفہ وحیدہ نے لکھا

"ایک معتبر شاعر، جنہیں ادبی حلقوں نے بھی گمشدہ قرار دے دیا. جو اپنی ذات میں اک انجمن تھے، کبھی کسی انجمن میں ان کا ذکرِ خیر نہ ہوا... میری اس کتاب کا مقصد عبد الودود اختر آصفی پشاوری کے خواب کو پورا کرنا ہے جسے وہ اپنی زندگی میں پورا نہ کر سکے، "اپنے اشعار کو کتابی شکل میں دیکھنا"

اس ترتیب میں جناب ناصر علی سید، سابق سفیر پاکستان سید ابرار حسین شاہ اور علی اویس خیال کے مضامین شامل ہیں جن میں اس متاع گم گشتہ کے لیے نہایت، محبت، اخلاص اور عقیدت جھلکتی ہے. جبکہ ابرار حسین شاہ صاحب نے اختر آصفی پشاوری کے بعض بہت پر ثروت اشعار کوٹ کیے ہیں

مجھے دل کی خلش میں کچھ کمی محسوس ہوتی ہے

مدد اے ناخن وحشت کہ مرے زخم بھرتے ہیں

ہم ہیں امید عیادت میں علیل

اور انہیں بیمار سے پرہیز ہے

بتائیں کیا تمھارے ہجر میں کیا صبح تک گذری

دل حسرت زدہ کو رات بھر زیر و زبر دیکھا

شہر پشاور عبد الودود آصفی کا دوسرا تنفس تھا. چاٹگام سے پشاور کے ہم عصر ادبی مشاہیروں، جناب فارغ بخاری، رضا ہمدانی، کوکب سرحدی، ضیاء جعفری، جگر کاظمی، مرزا محمود سرحدی اور امیر حمزہ شنواری کے نام نظمیں لکھتے رہے اور پشاوری مقامات کو یاد کرتے رہے

اب بھی فردوس نظر ہے قصہ خوانی کی بہار

دل کشا ہے اب بھی یہ بازار میرے شہر میں

اب بھی ہے پرواز شہباز صحافت کی بلند

وحیدہ ملک صاحبہ کی یہ مرتبہ کاوش مستقبل کے محققین کو اختر آصفی پشاوری کی مزید کھوج میں خاطر خواہ مدد دے گی

اردو ہے زبان اپنی

محمد اسلم نشتر خوشاب



اردو ہے زباں اپنی دنیا کو بتایں گے
اردو کی حفاظت کا ہم عہد نبھایں گے
اردو ہے امنگوں کا اک عہد درخشانی
اردو میں جو طاقت ہے ہر جا منوایں گے
اردو ہے طلسماتی ہر دل ہے مقام اس کا
دلکش یہ ترانہ ہم دنیا کو سنایں گے
اردو کے ہیں دیوانے افرنگ سے کیا لینا
اردو کو مقام اس کا جایز دلوایں گے
ذہنوں میں جو پنہاں ہیں اردو کے سبھی نغمے
قرطاس پہ لایں گے ڈنکا یہ بجایں گے
غیروں کی نقالی کا ہر سمت جو اٹھا ہے
طوفان ہلاکت سے اردو کو بچایں گے
اسلوب میں ندرت ہے مضموں میں تنوع ہے
ہم اردو کی خوشبو سے دنیا کو مہکایں گے
یورپ ہو یا افریقہ ایشا ہو یا امریکہ
اردو کے شراروں سے دنیا جگمایں گے
اقبال کی غزلوں میں کیا حشر سامانی ہے
اردو کی حرارت سے ہر دل گرمایں گے
کشمیر سے خیبر تک ایراں سے مراکش تک
ہم نغمہ ہندوی کی اک دھوم مچائیں گے
ان شااللہ ان شااللہ ان شااللہ ان شااللہ
جو کچھ ہے کہا ہم نے وہ کر کے دکھایں گے
جانباز جفاکش ہیں ہم زندہ دلاں نشتر
تہذیب وزباں اپنی غیروں سے بچایں گے

غزل

اثر خامہ
نیئر سرحدی

جدت پسند شاعر جناب فیض احمد فیض اور جناب احمد فراز نے غزل کو نئی جہت عطا کی اور محبوب کی محبت کے ساتھ ساتھ عوامی مسائل کو بھی اجاگر کیا سو اسی گریز کو مدنظر رکھتے ہوئے ذاتی کیفیات سے لبریز غزل احباب ذی وقار کی خدمت میں پیش کئے دیتے ہیں' عرض کیا ہے۔۔۔

سنو ! عمر رواں کا اتنا ہی بس گوشوارا ہے!
محبت کے سوا باقی خسارا ہی خسارا ہے

تمہیں معلوم ہے،ہم تم سے کتنا پیار کرتے ہیں!
تمہیں،ہم نے صحیفے کی طرح دل پر اتارا ہے

ہمارے عشق کی یہ انتہا ہے' عمر بھر ہم نے !
ہر اک مشکل گھڑی میں صرف تم ہی کو پکارا ہے

یہ تم بھی جانتے ہو تم پہ ہی ہم جاں چھڑکتے ہیں!
تمہاری بے رخی جانم ہمیں پھر بھی گوارا ہے

گریز!

اجاڑا تھا خزاں نے جس چمن کو آج پھر اس کو!
نئے اخلاص' جذبوں اور رویوں سے نکھارا ہے

کبھی مت مانگنا تم حق وطن کے حکمرانوں سے!
یہاں کے چپے چپے پر فقط ان کا اجارا ہے

جسے اپنا سمجھ کر ووٹ دے آئے ہو،ہم وطنو!
قسم لے لو' تمہارا ہے نہ یہ ظالم ہمارا ہے

بھروسہ کس طرح کر لیں تلاطم خیز لہروں پر!
یہاں تو ڈوبتے کو ایک تنکے کا سہارا ہے

سحر ہونے کو ہے ظلمت کدے مٹ جائیں گے سارے!
فلک پر جو بچا ہے آخری وہ اک ستارا ہے

زمانے بھر نے دیکھا ہے سر مقتل بھی نیئر نے!
محبت' امن اور اخلاص کا جذبہ ابھارا ہے

"اردو زبان سے دوری"

تحریر نادیہ احمد

گم زندگی، گم بندگی، گم دوجہاں، گم جاوداں۔۔۔۔۔

گم گم کی رٹ لگاتی زویا کو میں نے اچھنبے سے دیکھا اور غور فرمایا تو وہ "گم" دراصل "غم" تھا یعنی "غم زندگی، غم بندگی"....

اردو کی اس ناقدری پر سر نہ پیٹتی تو اور کیا کرتی، بہر حال اس کی اصلاح کی مگر یہ خیال کہیں ذہن کے نہاں خانوں میں بس گیا کہ اردو زبان کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے اور اس کی بنیادی وجہ "اردو زبان سے دوری" ہے. اس دوری کا اثر لامحالہ انگریزی اسکولوں میں انگریز اساتذہ کے زیر نگرانی پڑھنے والے ان معماروں پر پڑ رہا ہے کہ جنہیں "اردو کا امین" بننا تھا وہ "انگریزی کے جانشین" بنے پھر رہے ہیں لیکن اس میں ان معصوموں سے کیا شکوہ "کر گس سکھا رہے ہوں جنہیں بال و پر کی بات".

بات دراصل یہ ہے کہ "غلامی کی سب سے بدترین شکل وہ ہے جب غلاموں کو اپنی زنجیر سے پیار ہو جائے" اور آج یہی المیہ ہمارا ہے کہ ہم نے انگریزی کو ہار سمجھ کر گلے میں لٹکا لیا ہے. ارے! یہ مذاق کی بات نہیں المیہ ہی ہے کہ آج انگریزی کو تھامنے کے چکر میں اپنی اردو ہاتھ سے پھسلتی جا رہی ہے. انگریزی لب و لہجے میں منہ ٹیڑھا کر کے انگریزی بولنے سے جو بولنے کے انداز میں تبدیلی آئی ہے اس نے بھی اردو پر بہت برا اثر ڈالا ہے. اور تو اور "آوازوں کے ذریعے پڑھائی"(یعنی فونک) نے مزید اس کا بیڑہ غرق کر دیا ہے. "غزل کو گزل" اور "غالب کو گالب" کہتے، ذرا بھی جو اتنی قیمتی اثاثے کی ناقدری پر آنکھ نم ہو تو پھر "خزیمہ کو کھزیمہ" اور "غبارے کو گبارہ" کہنے پر کیا کسی کا دل دکھے گا.

یہاں تک تو بولنے کی بات تھی. لکھنے کا حال اس سے زیادہ برا ہے. "رومن" کے استعمال سے جہاں ان پڑھ معاشرے کا بھلا ہوا کہ ان کا انگریزی لکھنے کا شوق پورا ہو گیا وہیں پڑھے لکھوں نے بھی اس آسانی کو اپناتے ہوئے رومن کو بصد خوشی قبول کر لیا. اب تو یہ حال ہے کہ رومن میں "کیسی ہو؟" کی جگہ "k.c ho" یا "چائے پیو کی جگہ T.P.O" لکھا جانے لگا ہے.

مانا کے اردو ادب کے رموز و اوقاف سے زیادہ واقفیت ہمیں بھی نہیں مگر ایک دلی لگاؤ ہے، جو اس ناقدری پر "آٹھ آٹھ آنسو" روتا ہے. کچھ ذوق ادب رکھنے والوں سے تعلق داری

ہے سو ایک بار ایک تقریری مقابلے میں جانے کا اتفاق ہوا. اول آنے والے مقرر کی تقریر میں "زیر کو زبر" اور "زبر کو پیش" ہوتے دیکھ کر ابھی دل کو سنبھالا ہی تھا کہ "امید صبح جمال رکھنا، کھیال رکھنا" پہ دل ایسا تڑپا، ایسا تڑپا، کہ پھر پوچھنا ہی پڑا

"دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے

آخر اس درد کی دوا کیا ہے"

تو جان لیجئے کہ اس کی دوا اس احساس کمتری سے نجات حاصل کرنا ہے کہ انگریزی اردو سے بہتر ہے.

میری التجا درسگاہوں کے منتظمین سے یہ ہے کہ انگریزی کو ایک مضمون ہی رہنے دیں. سیکھنے اور سکھانے کا سلسلہ جاری ضرور جاری رکھیں کہ وقت کی ضرورت ہے اور مومن علم میں کسی سے پیچھے نہیں رہتا. مگر "ذریعہ اظہار خیال" اردو کو ہی رہنے دیں. دوسری جانب والدین سے بھی التماس ہے کہ اپنے بچے کے لئے درسگاہ کے انتخاب میں ان درسگاہوں کو مدنظر رکھیں جو "تعلیم بہم پہنچائیں" نہ کہ "صرف انگریزی" ورنہ دنیا کو صرف ایسی قیادت ملے گی جنکا یہ حال ہو گا کہ اردو استانی کے تقرر کے انٹرویو کے لئے جانے والی استانی کو صرف اس بنیاد پر مسترد کر دیا جائے گا کہ وہ انگریزی روانی سے نہیں بول سکتی۔

تبصرہ: سیّدہ ماہ جبین

ماہانہ مجلہ نفاذِ اردو پاکستان کی برقی اشاعت محترم عطاالرحمٰن صاحب اور ان کی محنتی مجلس کی ایک بہت ہی عمدہ جدوجہد اور کاوش ہے۔ یہ مجلہ اپنے آپ میں منفرد اور یکتا ہے۔ رنگ, نمونے اور لکھائی ی قابلِ تحسین ہے۔ اس مجلے میں نئے اور پرانے لکھنے والوں کو اپنے مضامین اور شاعری چھپوانے کے یکساں مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔

سب جانتے اور مانتے ہیں کہ پاکستان میں ہر سطح پر قومی زبان اردو کا نفاذ ضروری ہے۔ اس بابت اُردو کی خدمت ایک عظیم فریضہ ہے۔ جو کہ عطا صاحب احسن طریقے سے سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ کا یہ قدم زبان اردو سے محبت اور لگن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

آپ اردو زبان کو پاکستان کے ہر دفتر میں نافذ کرنے کی قانونی سعی کر رہے ہیں۔ جو کوئی ی آسان کام نہیں ہے۔ ہر دور کے نوجوانوں کو آپ کی اس سعئ حاصل پر فخر رہے گا۔

یقیناً آپ کا جذبہ، ہمت اور لگن آپ کو یہ منفرد اور عظیم کام کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ ہم سب آپ کے اس کارواں کا حصہ ہیں اور آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم سب کو بھی اپنے تیں نفاذ اردو کی کوششوں میں آپ کا ساتھ دینے کی اشد ضرورت ہے۔ جلد کامیابی یقیناً ضرور قدم چومے گی۔ ان شاءاللہ

فصیح الدین (کراچی)

مجلہ نفاذِ اردو ہر ماہ بے قاعدگی سے مل جاتا ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ اس کی اشاعت کسی خاص تاریخ کو طے ہو جائے۔ مندرجات کے اعتبار سے خوب ہوتا ہے بلکہ ہر شمارہ پہلے سے بہتر دکھتا ہے۔



نفاذِ قومی زبان تحریک پاکستان کا نامکمل ایجنڈا ہے، جس پر بہت کم توجہ دی گئی۔ تحریک نفاذِ اردو پاکستان اس اعتبار سے لائق تحسین ہے کہ وہ یک نکاتی ایجنڈے پر یکسوئی سے برسرپیکار ہے۔ قوم کو بھولا ہوا سبق یاد کرنے میں بڑی محنت کی ضرورت ہے۔

رسالے میں کچھ ادبی چاشنی بھی ہوتی ہے، نئے لکھنے والوں کو حوصلہ افزائی اچھی کوشش ہے کہ لیکن شعری اوصاف کا خیال رکھنا بھی بہت ضروری ہے۔ معیار پر سمجھوتہ کرنا ادب سے بے ادبی ہے۔

ادباء بھی اگر نفاذِ قومی زبان پر قلم اٹھائیں تو بے ادبی نہیں ہو گی۔ انہیں کون سمجھائے کہ اردو نافذ نہ ہوئی تو دس سال بعد انہیں پڑھنے والا کوئی میسر نہ ہو گا۔



میں اس کاوش کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔

سیدہ نافعہ، بہاولنگر

ماہنامہ نفاذِ اردو، نفاذ قومی زبان کا بہترین ترجمان ہے اور میں ہر ماہ اپنے حلقہ احباب میں تقسیم کرتی ہوں اور بہت پسند کیا جاتا ہے۔ عام آدمی نفاذِ قومی زبان میں کیا کردار ادا کر سکتا ہے، تحریک کے ساتھ کیسے تعاون کر سکتا ہے، اس بارے میں رہنمائی بھی ہونی چاہیے۔ ہر پاکستانی قومی زبان کے نفاذ کا حامی ہے لیکن وہ کس طرح اپنا حصہ ڈالے، اس پر روشنی ڈالیں۔

میں جنوبی پنجاب میں تنظیم سازی کے لیے کوشاں ہوں، مسلسل رابطے میں رہتی ہوں۔ ارباب علم و دانش کی توجہ اس جانب نہیں ہو رہی۔ یوں لگتا ہے کہ ہم ابھی تک نفاذِ قومی زبان کی اہمیت سے قوم کو آگاہ نہیں کر پائے، اس لیے مسلسل محنت کی ضرورت ہے۔

میرے خیال میں سوشل میڈیا کو مزید موثر انداز میں استعمال کرنے کا ہنر سیکھنا چاہیے تحریک سے منسلک ہر فرد کو تاکہ پیغام ہر پاکستانی تک پہنچا سکیں۔ میں ہر پاکستانی سے تحریک میں شامل ہونے کی اپیل کرتی ہوں۔ عوامی جدوجہد کے بغیر کامیابی ممکن نظر نہیں آتی۔

شیریں سید، راولپنڈی

ماہنامہ نفاذ اردو، ہر پاکستانی کی امنگوں کا ترجمان ہے۔ جو تحریک پاکستان کے نامکمل ایجنڈے کی تکمیل کے لیے کوشاں ہے۔ میں ہر ماہ اپنے جاننے والوں کو رسالہ واٹس ایپ پر بھیجتی ہوں تو لوگ بہت پسند کرتے ہیں۔



تحریک نفاذ اردو کی کامیابی اسی میں ہے کہ معاشرے کے صاحب الرائے افراد کو متحرک کیا جائے۔ یوٹیوبر، ٹک ٹاکر اور سوشل میڈیا کی متحرک شخصیات کا تعاون لینا چاہیے۔

نور محمد خان، پشاور

ماہنامہ نفاذ اردو کا ہمیشہ انتظار رہتا ہے۔ نفاذ قومی زبان کی سرگرمیوں سے آگاہی سے حوصلہ بڑھتا ہے۔ یہ سلسلہ جاری رکھیں، ہم ہر طرح سے آپ کے ساتھ ہیں۔

سمعیہ منیر ملتان

ماہنامہ نفاذ اردو قومی زبان کی بھرپور انداز میں نمائندگی کر رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس کو ہر پاکستانی تک پہنچانے کا اہتمام کریں۔ واٹس ایپ، فیس بک اور دیگر ذرائع سے وسیع پیمانے پر پھیلانے کی ضرورت ہے۔

نفاذِ قومی زبان فرض عین ہے۔۔ سعدیہ اجمل فیصل آباد

قوامی زبان ہماری پہچان اور ہمارا مان ہے۔ دنیا میں جہاں اردو بولی جائے گی وہیں ہمارے ملک کی پہچان ہوگی۔ ایک ہم ہیں کہ خود اپنے دفاتر اور نصاب تعلیم سے اردو کو بتدریج خارج کیے جا رہے ہیں۔ ہم پر ایسا طبقہ قابض ہے جو قومی امنگوں کو ہمیشہ خون کرتا رہا ہے۔ ہمارا انگریزی زبان سے استعماریت کا تعلق اس کے باوجود غلام ذہنیت کے پالیسی ساز دور غلامی سے باہر نہیں نکل پا رہے۔ ہمیں نفاذِ اردو کے لیے فیصلہ کن جنگ لڑا ہو گی، مطالبات اور اپیلوں سے یہ کام ہونے کا نہیں ہے۔ دستور کی منشاء، عدالت عظمیٰ کے فیصلے اور عوامی مطالبات کے بعد صرف "چھتر پریڈ" ہی رہتی ہے۔ قوم کو اس کی تیاری کرنی چاہیے۔ انگریزی کو مزید مہلت دینا اپنی نسلوں کو جہالت کے اندھیرے میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔ جو کوئی بھی باشعور قوم جیتے جی نہیں کر سکتی۔ ہمیں قومی شعور اور غیرت کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔

اغراض و مقاصد

1. بانی پاکستان قائد اعظمؒ کے فرمان، دستور پاکستان کے تقاضوں اور عدالت عظمیٰ کے فیصلے کے مطابق عدلیہ، مقننہ، انتظامیہ اور افواج پاکستان سمیت تمام سرکاری، نیم سرکاری اور غیر سرکاری اداروں اور ہر شعبہ زندگی میں قومی زبان اردو کا نفاذ اور غیر ملکی زبان (انگریزی) کے ناجائز تسلط کا خاتمہ۔
2. قومی اور علاقائی زبانوں کی ترویج و اشاعت اور تحفظ۔
3. قومی زبان میں دفتری، تعلیمی و تدریسی فرائض کی انجام دہی کے لیے افراد کار کی تیاری۔

 TNUPAK  TNUPAK  03495059760  TNUPAK@GMAIL.COM تحریکِ نفاذِ اُردو پاکستان 